بمنہٖ وکرمہ

مجموعہ نظم شبلی اردو

مع

سوانح عمری

جسمیں

حضرت مولانا مرحوم کی تمام اردو نظمیں لکھی گئی ہیں ہر ایک
نظم کمال شاعری کا گنجینہ اور تاریخی واقعات کا آئینہ ہو انکے
علاوہ مرحوم کی زندگی کے حالات مولانا عبدالحلیم
صاحب شاکر لکھنوی کے قلم سے اس میں اضافہ کئے گئے ہیں

مرتبہ

سید ظہور الحسن صاحب موسوی تاجر کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

اعلیٰ پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کی

مختصر فہرست کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

نام کتاب	قیمت
سفرنامہ روم و مصر و شام مصنفہ مولانا شبلی نعمانی جس میں علاوہ ان جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلۂ بیان میں آگئے ہیں۔ قسطنطنیہ بیروت بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتہ تعلیم دار العلوم اور مدارس بورڈنگ اور طلبا کی تربیت تعلیم نسوان مصنفین اور تصنیفات کتب خانے اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔	عہ
المامون مصنفہ مولانا شبلی نعمانی یعنی نامور فرماں روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ اس کتاب کے دو حصے میں پہلے حصہ میں تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولی عہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔	عہر
اورنگ زیب عالمگیر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف ہے تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایہ اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوئے ہیں بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری پر تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات بیان کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراضات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال فسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں مولانا نے خود اس عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے۔	ار

تماشائے عبرت

یعنے وہ

قومی مسدس

جسکو علامہ شبلی نے قومی تھیٹر علیگڈھ میں اپنے پر درد و پر سوز لہجہ میں پڑھا تھا

آج کی رات یہ کیوں جمع ہیں احباب ہمم — بھیڑ کیا ہے نظر آتا ہے یہ کیسا عالم
نوجوانانِ ہنر پرور و ارباب ہمم — جوق کے جوق چلے آتے ہیں کیسے پیہم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا جو سب سمجھے ہیں
شاید اس بزم کو یہ بزم طرب سمجھے ہیں

ہے گماں ان کو کہ آیا ہے تھیٹر کوئی — یا کہ اس سے بھی تماشا ہے یہ بڑھ کر کوئی
اس سبھا میں بھی نظر آئے گا اندر کوئی — مسخرا ان کے بھی آئے گا مقرر کوئی
نقل وہ ہوگی کہ دیکھی نہ سنی ہوگی کبھی
سیر وہ آج کریں گے کہ نہ کی ہوگی کبھی

کوئی کہتا ہے تھیٹر تو نہیں ہے لیکن — ساز و نغمہ بھی نہ ہو ساتھ نہیں ہے ممکن
راتیں کاٹی ہیں اسی شوق میں تارے گن گن — دیکھیں کیا سیر دکھائیں یہ بزرگانِ مُسن
کچھ نہ کچھ تازہ کرامات تو ہوگی آخر
بوڑھے غمزدوں میں کوئی بات تو ہوگی آخر

دوستو کیا تمھیں سچ مچ تھا تھیٹر کا یقین — کیا یہ سمجھے تھے کہ پردہ کوئی ہوگا رنگین
نظر آئے گی جو سوتی ہوئی اک زہرہ جبین — آئے گا پھول کے لینے کو ارم کا گلچین

قوم کی بزم کو یوں کھیل تماشا سمجھے
ہائے گر آپ یہ سمجھے بھی تو بیجا سمجھے

ہائے افسوس کہ ہو قوم تو یوں خستہ و زار — مرض الموت میں جس طرح سے ہے کوئی بیمار
نہ معالج ہو کوئی پاس نہ سر پر غمخوار — نظر آتے ہوں دم نزع کے سارے آثار

واں تو یہ حال کہ مرنے بھی کچھ دیر نہیں
آپ ادھر سیر تماشے سے ابھی سیر نہیں

نوحۂ غم ہے، یہاں نغمۂ عشرت کیسا — ہے یہ عبرت کا سماں جوش مسرت کیسا
ہے جنوں خیز یہ ہنگامۂ عبرت کیسا — قوم کا حال ہے غفلت کی بدولت کیسا

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے
دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

ہائے کیا سین ہے یہ بھی کہ گروہ شرفا — صاحب افسر و اورنگ تھے جنکے آبا
قوم کے عقدۂ مشکل کے ہیں جو عقدہ کشا — ایکٹر بن کے وہ اسٹیج پر ہیں جلوہ نما

قوم کے خواب پریشاں کی یہ تعبیریں ہیں
ایکٹر یہ نہیں عبرت کی یہ تصویریں ہیں

بانی مدرسہ وہ سید والا گوہر — وہ مینیجنگ کمیٹی کے معزز ممبر
شبلی غمزدہ وہ شاعر اعجاز اثر — اور یہ نوبادۂ اقبال کے سب برگ و ثمر

نہ تکلف کے کچھ انداز نہ کچھ جاہ کی شان
بزم میں آئے ہیں اس حال سے اللہ کی شان

اپنے رتبوں کا نہ کچھ دھیان نہ کچھ وضع کا پاس — دوستوں سے نہ جھجک اور نہ دشمن سے ہراس
گرچہ سب کہتے ہیں حاصل نہیں کچھ بھی جز یاس — ہائے کیا دھن ہے کہ پھر بھی تو نہیں ٹوٹتی آس

غرض مطلب کی ہے تصویر سراپا ان کا
ہاتھ خود کاسۂ دریوزہ ہے گویا ان کا

ان کا ہر لفظ ہے اک مرثیۂ جاں فرسا — قوم کی شان دکھا دیتی ہے ایک ایک ادا

دیکھ اے قوم جو اب تک نہ تھا تو نے دیکھا — اپنے بگڑے ہوئے انداز کا پورا خاکا
گرچہ تدبیر بھی ہم سے نہیں کچھ کی جاتی
ہائے حالت بھی تو تیری نہیں دیکھی جاتی

یوں بھلانے کو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر — یاد آجاتے ہیں پھر بھی ترے اگلے جوہر
وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گذر — ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر
تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آئی
کبھی یورپ میں نئے فتنے اٹھا کر آئی

تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم — ترے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم
ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم — جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم
کر دیا دفتر تاتار کو ابتر تو نے
نیزہ گاڑا تھا جگرگاہ تتر پر تو نے

کون تھا جس نے فارس و یوناں تاراج — کس کی آمد میں فدا کر دیا جیپال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج — کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج
تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی تھے کہ رگوں میں ہے ترے خوں جن کا

ہم نے مانا بھی کہ دل سے بھلا دیں قصے — یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچے — دیکھنے پائیں نہ تاریخ عرب کے صفحے
کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
یادگاروں کو زمانے سے مٹا دیں کیونکر

مرو و شیراز و صفاہان کے وہ زیبا منظر — بیت حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ در
مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک پتھر — اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر
ان کے ذروں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک
داستانیں انہیں سب یاد ہیں ازبر اب تک

ان سے سن کے کوئی افسانۂ یارانِ وطن — یہ دکھا دیتی ہیں آنکھوں کو وہی خواب کہن
تیرے ہی نام کا اے یہ گاتے ہیں بھجن — تیرے ہی نغمۂ پُر درد کے ہیں یہ ارگن
پوچھتا ہے جو کوئی ان سے نشانی تیری
یہ سنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری

اظہار و قبول حق

وارثِ عدل پیمبر عمر ابن الخطاب — ہیچ تھی جن کے لیے منزلت تاج و سریر
مجمع عام میں لوگوں سے انہوں نے یہ کہا — مہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ بھی تبذیر
جس قدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو — حکم یہ عام ہے سب کو امرا ہوں کہ فقیر
ایک بڑھیا نے وہیں ٹوک کے فوراً یہ کہا — تجھکو کیا حق ہے جو کرتا ہے ایسی تقریر
صاف قرآں میں قنطار کا لفظ آیا ہے — تجھکو کیا حق ہے کہ اس لفظ کی کردے تغییر
لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار — تھا یہ اک وزن کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر
سرنگوں ہو کے کہا حضرت فاروق نے آہ
میں نہ تھا اس سے جو واقف تو یہ میری تقصیر

جزر و مد

الہلال کا لب و لہجہ

دیکھ کر حریتِ فکر کا یہ دورِ جدید — سوچتا ہوں کہ یہ آئین خرد ہے کہ نہیں
رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ انداز کلام — اس میں کچھ شائبۂ رشک و حسد ہے کہ نہیں
اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر — اس میں کچھ قابل تسلیم و سند ہے کہ نہیں
نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئین سخن — بزم تہذیب میں مستوجب رد ہے کہ نہیں
جس نئی راہ میں ہیں بادیہ پیما یہ لوگ — گو اس جادۂ مشکل کا بلد ہے کہ نہیں

شاعروں نے جو نئی آج بچھائی ہے بساط
اسمیں ان پر بھی کہیں سے کوئی زد ہو کہ نہیں

پہلے گر شانِ غلامی بھی تو اب خیرہ سری
اس زور اہے ہیں کوئی پیچ کی حد ہو کہ نہیں

فیصلہ کرنے سے پہلے میں ذرا دیکھ تو لوں
”جزر“ جیسا تھا اسی زور کا ”مد“ ہو کہ نہیں

مسلم لیگ

لیگ کے عظمت وجبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے

ہے گورنمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظر لطف رئیسانِ خوش انجام بھی ہے

کون ہے جو نہیں اس حلقہ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رندِ مے آشام بھی ہے

فیض ہے اس کا باندازہ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے دُردِ تہ جام بھی ہے

کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجع خاص ہے یہ قبلہ گہ عام بھی ہے

پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نوجوانوں کو صلائے طمع خام بھی ہے

رہنمایانِ نوآموز کا ہے مکتب و درس
زینۂ فخر و نمائش گرمی عام بھی ہے

جن مہمات میں درکار ہے اشیا نفوس
ان میں طرز عمل بوسۂ و پیغام بھی ہے

صدمۂ مشہد و تبریز سے آنکھیں ہیں پر آب
دل میں غمخواری ترکانِ نکو نام بھی ہے

مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسن قوم بھی ہے خادم حکام بھی ہے

ربط ہے اسکو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جسطرح ”صرف“ میں اک قاعدہ ادغام بھی ہے

اسکے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہے درست
ورق سادہ بھی ہے کلک خوش اندام بھی ہے

ہیں قرینے سے سجائی ہوئی میزیں ہر سو
جابجا دفتر پارینۂ احکام بھی ہے

چند بی۔ اے ہیں سند یافتہ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقہ خدام بھی ہے

ہو جو تعطیل میں تفریح سیاحت مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے“

یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور | اگرچہ یہ سوء ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے
مجھ سے آہستہ سے کان میں ارشاد ہو یہ
"سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہے"

خطاب

به رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
اس وقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا

ہر چند لیگ کا لفس واپسیں ہے اب | اس دور روزہ پہ جس کو غرور تھا
وہ دن گئے کہ بت کدہ کو کہتے تھے حرم | وہ دن گئے کہ خاک کو دعوئے نور تھا
وہ دن گئے کہ شان غلامی کے ساتھ بھی | ہر بوالہوس خمار سیاست میں چور تھا
وہ دن گئے کہ "شارع اول" کا حرف حرف | ہم پایۂ کلام سخن گوئے طور تھا
وہ دن گئے کہ فتنۂ آخر زماں کے بعد | گویا کہ اب امام زماں کا ظہور تھا
اب معترف ہیں دیدہ وران قدیم بھی | اس نقش سیمیا میں نظر کا قصور تھا
اس دست مرتعش نہ تھی قوت عمل | اک کاسہ تھی یہ سر پر غرور نہ تھا
یہ لمعۂ سراب نہ تھا چشمہ بقا | یہ تیرگی تھی جس کو سمجھتے تھے نور تھا
آئین بندگی میں ملسلق کی شان بھی | اخلاص و صدق شائبۂ مکر و زور تھا
ان کی دکان کی وہ ہوا اب اکھڑ چلی | جن کے گھروں میں جنس وفا کا وفور تھا
اب یہ کھلا کہ واقف سر تھا اسی قدر | جو جس قدر مقام تقرب سے دور تھا
ہر دم برادران وطن کی برائیاں | ظاہر ہوا کہ فتنۂ ارباب زور تھا
سب مٹ گیا سیاست سی سالہ کا طلسم | اک ٹھیس سی لگی تھی کہ شیشہ ہی چور تھا

لے دے کے رہ گیا تھا سہارا انہیں آپکا
یہ جسم مردہ منتظر نفخ صور تھا

امید بھی کہ اب کی بدل جائینگے اصول
مٹ جائیگا نظام میں جو کچھ فتور تھا

ہو گی کچھ اب نظام حکومت پہ گفتگو
جس دن کا منتظر کہ ہر اک بد شعور تھا

دیں گے برادرانِ وطن کو پیام صلح
آویزشِ عبث سے ہر اک دل نفور تھا

یہ کیا ہوا کہ آپ نے بھی بیرخی سی کی
کیا آپ کو بھی رازِ نہاں پر عبور تھا

یا یہ سبب ہوا کہ پراگندہ تھا مزاج
ازبسکہ "آستانہ" میں شورِ نشور تھا

ممکن ہے اور بھی ہوں کچھ اسباب ناگزیر
یہ سب سہی پہ آپ کو آنا ضرور تھا

مسلم لیگ

لوگ کہتے ہیں کہ آمادۂ اصلاح ہے لیگ
یہ اگر سچ ہے تو ہم کو بھی کوئی جنگ نہیں

صیغۂ راز سے کچھ کچھ یہ کھٹک آتی ہے
کہ ہم آہنگی احباب سے اب ننگ نہیں

فرق اتنا تو بظاہر نظر آتا ہے ضرور
اب خوشامد کا ہر اک بات میں وہ رنگ نہیں

غرض مطلب میں بان کچھ تو ہے کھلتی جاتی
گرچہ ابتک بھی حریفوں سے ہم آہنگ نہیں

وہ بھی اب نقد حکومت کو پرکھتے ہیں ضرور
جن کو ابتک بھی تمیز گہر و سنگ نہیں

قوم میں بھونکتے رہتے ہیں جو افسون وفا
ان کی افسانہ طرازی کا بھی وہ ڈھنگ نہیں

وہ بھی کہتے ہیں کہ اس جنس وفا کی قیمت
جس قدر ملتی ہے ذرہ کی بھی ہم آہنگ نہیں

آگئے تھے حلقۂ تقلید میں جو لوگ اسیر
سست رفتار تو اب بھی ہیں مگر لنگ نہیں

آپ لبرل جو نہیں ہیں تو بلا سے نہ سہی
یاں کسی کو طلب افسر و اورنگ نہیں

کام کرنے کے بہت سے ہیں جو کرنا چاہتے
اب بھی یہ دائرۂ سعی و عمل تنگ نہیں

سال میں یہ جو تماشا سا ہوا کرتا ہے
کام کرنے کے یہ انداز نہیں ڈھنگ نہیں

کچھ تو نظم و نسق ملک میں بھی دیجئے دخل
شیوۂ حق طلبی ہے یہ کوئی جنگ نہیں
کچھ نہ کچھ نظم حکومت میں ہے اصلاح ضرور
ہم نہ مانیں گے کہ اس آئینہ میں زنگ نہیں

کم سے کم حاکم اضلاع تو ہوں اہل وطن
کیا ہزاروں میں کوئی صاحب فرہنگ نہیں

صلح کانفرنس کی شکست اور جنگ کا آغاز

سوٹ ایبل سلف گورنمنٹ

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ ریاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
تقسیم مشرقی نے عیاں کر دیا ہے سب
جو شاہ راہ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقع نیرنگ ساز ہے
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نہ یہ کہ "سوٹ بل" کی جو شرط ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پر فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگریس
دونوں کا ایک عرصہ گہ ترک و تاز ہے

جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے
جب تک ہیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بہم یہ دور "قدح ہائے راز" ہے
"احرار" سے کہو کہ نہیں کچھ امید "صلح"
ٹلتا نہیں جو تفرقہ و امتیاز ہے

آزادی خیال پہ تم کو ہے گر غرور
تو لیگ کو بھی شان غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی ہاتھ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باندازِ دگر

منظرِ عام پہ لوگوں سے کیا اسنے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ہمکو مفر

اِک ذرا سی مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہے
جس سے ہیں متفق اللفظ سب اربابِ نظر

یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ ہو "سوٹ ابل"
یا کہ موزوں و مناسب ہو بالفاظِ دِگر

یہ مسلّم کہ ہر اک ملک کی حالت ہے جدا
جسکا آئین حکومت پہ بھی پڑتا ہے اثر

جو حکومت کہ کناڈا کے لئے موزوں ہے
ہے وہی مملکتِ ہند میں سرمایۂ شر

ملک میں ہم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
جو کہ ہیں نخلِ حکومت کے لئے برگ و ثمر

واقعی قیدِ "مناسب" ہے بجا اور موزوں
آپ اس قید کو کس کام میں لائیں گے مگر

پہلے بھی آپ تو اس حصن میں لیتے تھے پناہ
پہلے بھی آپ اسی دشت میں تھے راہ سپر

جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگی
آپ اس قیدِ مناسب کو بنائیں گے سپر

اب بھی ہیں جادۂ مقصد کے وہی نقشِ قدم
اب بھی اوراقِ سیاست کا وہی ہے منظر

یہ وہی لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وہی لفظ ہے سرمایۂ صد گونہ ضرر

آپ ہر بار جو بڑھ بڑھ کے پلٹ آتے ہیں
ہے اسی شیوۂ تعلیمِ غلامی کا اثر

آپ کے فلسفۂ لغو کے یہ الفاظ جدید
گو بظاہر ہیں فریبندۂ اربابِ بصر

ہے حقیقت میں اسی متنِ غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخلِ سیاست کا ثمر

چند جملے جو زبانوں پہ چلے آتے ہیں
آپ دہراتے ہیں ہر بار باندازِ دگر

ایک ان میں سے ہے یہ بھی کہ "ابھی وقت نہیں"
ہے اسی لفظ کی تشریح باندازِ دگر

آج یہ لفظ "مناسب" جو نیا وضع ہوا
آپ اس لفظ کو ہر بار بنائیں گے سپر

آپ کے دائرہ بحث کا مرکز تھا یہی
آپ کی گردشِ مبہم کا یہی تھا محور

آپ اس دام سے برسوں بھی نہ چھوٹینگے کبھی
آپ اس کوچۂ پیچ و خم سے نہ نکلینگے مگر

آپ اس بھول بھلیاں سے نہ نکلینگے کبھی — دل سے جائے گا نہ تعلیم غلامی کا اثر
جب کہیں بھی کوئی پہلوئے غلامی ہوگا — ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہر گئی نظر
اس قدر سرد مزاج اور پھر اس پہ تبرید — خوف یہ ہے کہ پہنچ جائے نہ فالج کا اثر

آپ کچھ گرم دوائیں جو گوارا فرمائیں
ہم دعا گو یہ سمجھتے ہیں کہ ہوگا بہتر

لیگ

مع

سوٹ ایبل

لیگ کو سلف گورنمنٹ ہے اب پیش نظر — للہ الحمد کہ حل ہو گئی ساری مشکل
اب یہ بیجا ہے شکایت کہ وہ آزاد نہیں — اب یہ کہنا غلطی ہے کہ وہ ہے یاورگل
ملک کے جملہ مسائل کی یہی ہے بنیاد — اور جو کچھ ہے اسی چیز میں ہے سب شامل
لیگ نے حق طلبی میں جو یہ جرأت کی ہر — واقعہ یہ ہے کہ مدح و ثنا کے قابل
کچھ تو ہے لیگ میں جس نے یہ کشش پیدا کی — آپ سے آپ جو کھینچتا ہے ادھر دامن دل
لیگ والوں نے جو اسٹیج پہ کی تقریریں — کر دیئے اس نے خیالات غلط سب باطل
اس دلیری سے ہر اک حرف ادا ہوتا تھا — بعض کہتے تھے کہ ہے سوء ادب میں داخل
الغرض لیگ کے اور مجلس ملکی کے حدود — یوں ملے آکے بہم بحر سے جیسے ساحل
ہاں تو اب عرض ہی یہ خدمت عالی میں جناب — کیجئے سلف گورنمنٹ کا مقصد حاصل
امتحانات سول کے لئے لندن کی یہ قید — ہے یہ رفتار ترقی کے لئے سخت مخل
یہ جو پیمایش ارضی کا ہے سی سالہ رواج — ملک کے حق میں ہے یہ زہر سے بڑھکر قاتل
جو مناسب کہ ولایت کیلئے ہیں مخصوص — آج ابنائے وطن بھی تو ہیں ان کے قابل
صیغۂ فوج میں تخفیف مصارف ہی ضرور — سینۂ ملک پہ افسوس کہ بھاری ہی یہ سل

لیگ نے سُن کے یہ سب مجھ سے باآہستہ کہا
آپ سمجھے کہ اس لفظ کا کیا تھا مجمل

ہم نے گو سلف گورنمنٹ کی خواہش کی تھی
شرط یہ بھی تو لگا دی تھی کہ ہو سوٹ ایبل

آپ جو کہتے ہیں وہ ہے حدِ ادراک سے دور
ہمکو اس خوابِ پریشاں میں نہ کیجئے شامل

وہ یہ باتیں ہیں جو مخصوص ہیں یورپ کیلئے
آپ طے پہلے غلامی کی تو کرلیں منزل

مسلم یونیورسٹی

گر خامشی سے فائدہ اخفائے راز ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے

"مسلم" کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی
کیا اس میں بھی حضور کو کچھ احتمال ہے

اسباب سوءِ ظن کے نئے کچھ عیاں ہوئے
یا پہلے ہی سے شیشۂ خاطر میں بال ہے

ہم تو ازل سے حلقہ بگوشِ نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیرِ قدم پائمال ہے

ہمنے تو وہ ثنا و صفت کی حضور کی
جو خاص شیوۂ صفتِ ذوالجلال ہے

آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر
یاں تک تو ہمکو پاسِ ادب کا خیال ہے

اردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبین پر عرقِ انفعال ہے

دامن غبارِ حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیضِ خاصِ رہبرِ دیرینہ سال ہے

آیا جو حریت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوششِ جنوں کا ابال ہے

اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگانِ خاص
گو صحبتِ عوام میں کچھ قیل و قال ہے

گردن جھکی ہوئی ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے

الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے

یعنی کہ پھیل کر یہ زمانے کو گھیر لے
ابتک جو مختصر یہ علیگڑھ کا جال ہے

یہ پالسی ہے شاہرۂ عام قوم کی
اس سے کوئی الگ ہو تو وہ خال خال ہے

پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار میرا بال بال ہے

اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرض حال ہے

سنتے رہے غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہوگئی تو یہ لب پر مقال ہے

حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسہ
وہ درس گاہ روئے وفا کا جو خال ہے

یونیورسٹی

مایوس گو ترقی قومی سے میں نہیں
لیکن ابھی تلک تو یہ سودائے خام ہے

رائیں تمام کج ہیں خیالات سب غلط
گم کردۂ نجات ہر اک خاص و عام ہے

یہ تیس لاکھ قوم نے جو کر دیے عطا
بے شبہ عزم و ہمت عالی کا کام ہے

لیکن یہ گفتگو جو نئی چھڑ گئی ہے اب
یہ باعث تباہی ناموس و نام ہے

الحاق کی جو شرط نا منظور ہو سکی
اک غلغلہ ہے شور ہے غوغائے عام ہے

لبریز ہے تصور باطل سے ہر دماغ
ہر سینہ عرصہ گاہ ہوسہائے خام ہے

اب اسطرح چلتی ہے اک ایک کی زبان
گویا کہ ذوالفقار علیؑ بے نیام ہے

دو کوڑیاں بھی جس نے نہ دیں آج تک کبھی
اسکی بھی نیند جوش جنوں میں حرام ہے

اک غلغلہ بپا ہے کہ الحاق جب نہیں
پھر کس بنا پہ جامعۂ قوم نام ہے

اسلام کے جو نام سے بھی متسم نہیں
اس کو تو دور ہی سے ہمارا سلام ہے

مسلم نہیں تو جامعۂ قوم بھی نہیں
پھر کیوں یہ شور غلغلۂ واہتمام ہے
چندے لئے گئے تھے اسی شرط پر تمام
یہ نقض عہد ہے کہ جو شرعاً حرام ہے
یہ درس گاہ خاص نہ تھا بدعائے عام
یہ وہ متاع ہی نہیں جس کا یہ دام ہے

ان ابلہان قوم کو سمجھائے یہ کوئی
عالم کے کاروبار کا اک انتظام ہے
جس کی بنا تمام ہے تقسیم کار پر
یعنی ہر ایک شخص کا اک خاص کام ہے
عالم میں ہیں ہر اک کے فرائض جدا جدا
یہ مسئلہ مسلمہ خاص و عام ہے
ہے مقتدی کا فرض فقط امتثال امر
ارشاد و حکم منصب خاص امام ہے
تھا قوم کا جو فرض وہ تھا بس عطائے زر
آگے مقدسین علی گڈھ کا کام ہے
یہ بارگاہ خاص نہیں مجلس عوام
سمعاً وطاعۃً یہ ادب کا مقام ہے
مخصوص ہیں مناصب خاصان بارگاہ
تم کون ہو جو تم کو یہ سودائے خام ہے

مسئلہ الحاق

مجھ کو حیرت بھی کہ تعلیم غلامی کے لئے
وہ بنا کون سا پہلو ہے کہ جو باقی ہے
پہلے جو بزم گہ خاص تھی اس فن کیلئے
آج جو کچھ ہے اُسی درس کی مشاقی ہے
اسکے ہوتے ہوئے پھر لیگ کی حاجت کیا تھی
جب وہی بادۂ گلگوں ہے وہی ساقی ہے
فیض ہے عالم بالا کا ابھی تک جاری
استفادہ میں وہی شیوۂ اشراقی ہے
غلطی سے جو نئی چیز سمجھتے ہیں اسے
یہ فقط وہم غلط کار کی خلاقی ہے

شیخ صاحب نے کہا مجھ سے باندازِ لطیف
اس میں اک راز ہے اک نکتۂ اشراقی ہے
یوں تو ہیں جامعۂ درس غلامی دونوں

فرق یہ ہے کہ وہ محدود بہ الحاقی ہے

یونیورسٹی ڈیپوٹیشن

تھی سفارت کی جو تجویز بظاہر موزوں — اہل مجلس بھی بظاہر نظر آتے تھے خموش

دفعتہً دائرہ صدر سے اٹھا اک شخص — جس کی آزادی تقریر تھی غارتگر ہوش

اس نے اس زور سے تجویز پہ کی رد و قدح — چونک اوٹھے وہ بھی جو بیٹھے ہوئے تھے پنبہ بگوش

اہل مجلس نے جو بدلا ہوا دیکھا انداز — ڈر ہوا یہ کہ کہیں اور نہ بڑھ جائے خروش

صدر محفل نے بلا کر اُسے آہستہ کہا — کہ تو ہم شامل و قدستی وایں مایہ مجوش

بادۂ جام سفارت سے مرد افگن تھا — ایک ہی جرعہ میں وہ شیر جری تھا خاموش

اب نہ وہ طرز سخن تھا نہ وہ آزادی رائے — نہ وہ ہنگامہ طرازی تھی نہ وہ جوش [illegible]

جس کی تقریر سے گونج اٹھتا تھا اجلاس کا ہال — اب وہ اک پیکر تصویر تھا بالکل خاموش

سخت حیرت تھی کہ اک ذرۂ خاکستر تھا — وہ شرارہ جو ابھی برق سے تھا دوش بدوش

دیکھتے ہیں تو حرارت کا کہیں نام نہیں — ہوگیا شعلۂ سوزندہ بھڑک کر خس پوش

اہل ثروت سے یہ کہدو کہ مبارک ہو تمہیں
للہ الحمد ابھی ملک میں ہیں رائے فروش

یونیورسٹی اور الحاق

شرط الحاق پہ اصرار اور ایسا اصرار — شیوۂ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی

درسگاہیں ہیں کہاں بھیجئے جن کا الحاق — اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں طبل تہی

لوگ جس چیز کو کہتے ہیں "علی گڈھ کالج"
چشمِ بنیاد ہو تو ہے جامعہ قوم یہی

یہ وہی قبلۂ حاجات ہے سوچیں تو ذرا
یہ وہی کعبۂ مقصود ہے دیکھیں تو سہی

آج جو لوگ ہیں جمعیتِ قومی کے امام
جن کا ارشاد ہے ہمپایۂ طغرائے شہی

سب کے سب متفق اللفظ یہی کہتے ہیں
اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْحَقُّ وَ اٰمَنَّا بِہٖ

قوم کا دیکھئے بچپن کہ سب سن کے کہا
جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لوں گی تو وہی

یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کا اجلاس لکھنؤ

۲۸؍ دسمبر سنہ ۱۹۱۲ء

یہ فیض ہے جماعت احرار کا ضرور
اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے

آزادیِ خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر
یہ سب انہیں کے فیض کا منت گزار ہے

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ
ہے دیرپا کہ جوشِ جنونِ بہار ہے

اب کی جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں
سچ پوچھئے تو مضحکہ روزگار ہے

دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشۂ بساط
میدان رزم و عرصہ گہ گیر و دار ہے

غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا
اب انتظار فوج یمین و یسار ہے

احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی
مجلس تمام عرصہ گہ کارزار ہے

اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
گویا حریف رستم و اسفندیار ہے

ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علمِ فتح ہے بلند
چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے

ہر نوجوان ہے نشۂ آزادگی میں مست
جو ہے وہ حریت کا سر پر خمار ہے

احرار کہہ رہے ہیں نہ مانیں گے ہم کبھی — ویٹو کا دیسرائے کو کیا اختیار ہے
الحاق اگر نہیں ہے تو یہ سعی ہے عبث — مسلم کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے
جو والیان ملک کہ تھے زیب انجمن — سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ خروش وہ جوش نہ وہ گیر و دار ہے
ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب — بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے
سازش کا ایک جال بچھایا ہے ہر طرف — ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کار ہے
سرمستیاں ہیں دور قدح ہائے راز کی — ہر شخص حکمت عملی کا شکار ہے

جو بات کل تلک سبب ننگ و عار تھی — وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہے
جس بات پر کہ نعرۂ نفریں بلند تھا — اب وہ قبولِ خاطر ہر ذی وقار ہے
کل کہہ چکے ہیں کیا؟ یہ نہیں اب کسی کو یاد — اب نکتہ ہائے زیر لبی پر مدار ہے
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے گو شکست — کہتے ہیں پھر یہ فتح مبین یادگار ہے

حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ — یہ کیسا دورنگی چمنِ روزگار ہے
احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

نالۂ شبلی

بر وفات برادر خرد مولوی محمد اسحق مرحوم وکیل ہائیکورٹ الہ آباد

وہ بھی تھا ایک دن کہ یہ وحشت سرائے دل — اک محشرِ نشاط و وفورِ سرور تھا
رنگینی خیال سے لبریز تھا دماغ — جو شعر تھا چراغ شبستان حور تھا

سینہ میں تھا چمن کدۂ صد امید تو	آنکھوں میں کیف بادۂ ناز و غرور تھا
ایک ایک تھا ورق نو بہار حسن	ذروں کے رخ پہ صبح سعادت کا نور تھا

نظر آتا نہیں اب صبر کا پہلو مجھ کو	کام دیتے نہیں کچھ قوت بازو مجھ کو
شہر ویرانہ نظر آتا ہے ہر سو مجھ کو	ہائے افسوس کہاں چھوڑ گیا تو مجھ کو

جب وہ گنجینۂ امید و تمنا نہ رہا
ایک بیکار زمانہ میں رہا یا نہ رہا

انتقال پدر پیر بھی دیکھا میں نے	ماتم مادر دلگیر بھی دیکھا میں نے
صدمۂ رحلت ہمشیر بھی دیکھا میں نے	دو برادر کو جواں میر بھی دیکھا میں نے

یہ نمائش کدۂ داغ عزیزاں تو نہیں
میرا سینہ ہے الٰہی یہ چراغاں تو نہیں

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انصاف

لہ

پسر عبد عزیز اموی	عدل میں ثانی ابن الخطاب
جب ملا تخت خلافت انکو	ہو گیا گلشن گیتی شاداب
ایک شب گھر سے چلے بہر نماز	پڑ گیا جب رخ عالم پہ نقاب
کوئی آوارہ وطن تند مزاج	صحن مسجد میں تھا آلودہ خواب
پاؤں کا ان کے ٹھوکا جو لگا	جاگ اٹھا اور کیا انسے خطاب
خبر ہے کیا کوئی مجنون ہے تو	یا کچھ ہے تیری آنکھوں پہ حجاب
ھنس کے فرمایا کہ مجنوں نہیں	کچھ نہیں تجھ میں جنوں کے اسباب
ہاں مگر ہو گئی مجھ سے تقصیر	آپ سے عفو کا طالب ہوں جناب

چوبداروں نے کیا اس کو اسیر ۔ چاہتے یہ تھے کہ دیں اسکو جواب
آپ نے روک دیا ان کو وہیں ۔ پھر کیا ان سے یہ آہستہ خطاب
اس نے اک بات فقط پوچھی تھی ۔ جو مناسب تھا دیا میں نے جواب
بات قطعی تو نہیں اس نے کی ۔ پوچھنا کچھ نہیں شایانِ عتاب
اتنی سی بات پہ یہ جوش و غضب ۔ اتنی سی بات پہ یہ خشم و عتاب
بیکسوں کو میں ستاؤں کیونکر ۔ مجھکو دینا ہے قیامت میں جواب

دعوتِ عمل

یہ نظم ۱۸۹۳ء کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھی گئی تھی۔

سجا ہے آج اگر اس بزم میں زیب و ساماں ہے ۔ یہ انکی بزم ہے جو یادگارِ نسلِ عدناں ہیں
خلیل اللہ سے مہمان نوازی جنکو پہنچی ہے ۔ ہزاروں کوس سے آکے وہ اس گھر میں مہماں ہیں
فقط اک جذبۂ قومی انہیں واں کھینچ لایا ہے ۔ جہاں زورِ حکومت ہے نہ حاجب ہیں نہ درباں ہیں
ہماری خدمتوں کا وہ اٹھانے آئے ہیں احسان ۔ کہ اسلامی جماعت پر ہزاروں جنکے احساں ہیں
ہنر میں علم میں اخلاق میں مجد و شرافت میں ۔ یہی وہ صورتیں ہیں جن پہ ہم تم آج نازاں ہیں
خدا نے انکو بخشی ہے حکومت اور سطوت بھی ۔ کہ جسمِ سلطنت کے یہ جوارح اور ارکاں ہیں
مگر ان کو کسی عزت پہ نازش ہے تو اس پر ہے ۔ کہ یہ اسلام کے ہیں نام لیوا اور مسلماں ہیں
نہ عہدوں کا تفاوت ہے نہ کچھ حفظِ مراتب ہے ۔ یہاں جس سادگی سے یہ شریکِ بزمِ اخواں ہیں
معمر بھی ہیں ان میں نوجواں بھی اور کمسن بھی ۔ مگر شانِ اخوت میں مدارج سب کے یکساں ہیں
یہ وہ ہیں جنمیں ہے اسلام کا اب تک اثر باقی ۔ یہ وہ ہیں جنمیں جوہر نسلِ عدنانی کے پنہاں ہیں
انہیں کے بازوؤں میں زور تھا کشورستانی کا ۔ انہیں کی یادگاریں جابجا اب تک نمایاں ہیں
یہ وہ ہیں جان و دل سے جو فدائے قوم و ملت ہیں ۔ یہ وہ ہیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ہیں

نہ ہوگا ایک بھی دل درد قومی سے جو خالی ہو — بظاہر گرچہ سب مسرور ہیں خرم ہیں شاداں ہیں
انہیں احساس ہے آئین و ملت کی تباہی کا — یہ واقف ہیں کہ بیڑے قوم کے اب غرق طوفاں ہیں
انہیں معلوم ہے جس تاک میں ہے گردش گرداں — انہیں محسوس ہے جن گھات میں ایام دوراں ہیں

خبر ہے انکو جس آزار میں چھوٹا بڑا ہے اب
یہ واقف ہیں کہ پہلے قوم کیا تھی اور کیا ہے اب

علاج اپنا ہم اب تک تو سمجھتے تھے کہ آساں ہے — مگر وہ درد نکلا جس کو ہم سمجھے تھے درماں ہے
دوا ہر بار جب اپنا اثر الٹا ہی دکھلائے — تو بس سمجھو کہ اب بیمار کوئی دم کا مہماں ہے
جو سچ پوچھو تو ہے اسلامیوں کی بس یہی حالت — مرض دونا بڑھا دیتی ہے خود وہ شے جو درماں ہے
سلف کا تذکرہ جو ہمت و غیرت کا ہے افسوں — ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خواب پریشاں ہے
یہ افسانے پڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدت — یہ افسوں حق میں اپنے اور مدہوشی کا ساماں ہے
ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا — کہ سب پیش نظر اسلاف کی وہ شوکت و شاں ہے
ہماری کلفتیں سب دور ہو جاتی ہیں یہ سن کر — کہ دنیا آج تک اسلام کی ممنون احساں ہے
مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی صحبت میں سنتے ہیں — کہ یورپ دولت عباس کا اب تک ثنا خواں ہے
نہیں رہنے کو یاں گھر تک مگر چرچے یہ سنتے ہیں — کہ اب تک قصر حمرا قبلہ گاہ رہ نورداں ہے
ہیں خود ان پڑھ مگر اس علم میں اتراتے پھرتے ہیں — کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اب تک نام یوناں ہے
نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوبیاں بنکر — ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے
بسر ہوتی ہے گر اوقات فیاضی پہ غیروں کی — تو سمجھے ہیں کہ بس زہد و توکل کی یہی شاں ہے
حمیت اور خودداری نہیں ہے گر طبیعت میں — تو اچھا ہے کہ مسکینی تو اول شرط ایماں ہے
طبیعت میں اگر ہیں فتنہ پردازی کے کچھ جوہر — تو دعوی ہے کہ تدبیر و ریاست فرض انساں ہے

وہ قوم اور وہ جماعت جس میں اخلاق محکم ہیں
بلائیں اس پہ جو آئیں وہ کم ہیں اور بہت کم ہیں

یہ جو کچھ سن چکے ہو قوم کی تم حالت ابتر — نہ سمجھو یہ کہ ہے اس داستاں کا خاتمہ اس پر
ہماری سب سے بڑھ کر بد نصیبی جو ہے وہ یہ ہے — کہ پیدا ہیں وہ بھی قوم کے جو آج ہیں لیڈر

گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی ... کہ وہ آنسو بہالیں قوم کی درماندہ حالت پر
گیا وہ وقت ہمکو ناصحوں کی جب ضرورت تھی ... فلک نے کردیا اک اک کو آپ اپنا نصیحت گر
گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے ... ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سرتاسر
ضرورت اب ہے گر ہمکو تو بس ہے ان بزرگوں کی ... کہ جنمیں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہیں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے ... کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر
نہیں گر یہ تو بس اک گرمی صحبت کے ساماں ہیں ... یہ قومی مرثیے یہ وعظ یہ اسپیچ، یہ لکچر
طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے ... فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
تمھیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں ... مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر
ابھی تک تم میں ہے اسلاف کا کچھ کچھ اثر باقی ... شرر گو بجھ چکے پر گرم ہے اب تک وہ خاکستر
ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہے ان مرجھائے پھولوں میں ... ابھی کچھ کاٹ ہے اس تیغ میں گو مٹ چکے جوہر
وہی فیاضیاں تم میں ہیں جو تھیں معن و حاتم میں ... مگر بیہودہ رسموں کیلئے وہ وقف ہیں یکسر
کچھ اس سے کم ہوا تھا صرف تجہیز اسامہ میں ... لٹا دیتے ہو تقریبوں میں جتنا تم زر و زیور
فقط آپس کے جھگڑوں میں تم اس سے کام لیتے ہو ... وہ جودت اور ذہانت جس میں اب بھی ہو تم نام آور

سنبھلنا اب بھی گر چاہو تو ہے وقت اور ضرورت بھی
وگرنہ پھر نہیں رہنے کی جو کچھ ہے یہ حالت بھی

غزلیات

اثر کے پیچھے دل حزیں نے نشاں چھوڑا نہ ہر کہیں کا
گئے ہیں نالے جو سوئے گردوں تو اشک نے رخ کیا زمیں کا

بھلی تھی تقدیر یا بری تھی یہ راز کس طرح سے عیاں ہو
بتوں کو سجدے کئے ہیں اتنے کہ مٹ گیا سب لکھا جبیں کا

وہی لڑکپن کی شوخیاں ہیں وہ اگلی ہی سی شرارتیں ہیں
سیانے ہونگے تو ہاں بھی ہو گی ابھی تو سن ہے نہیں نہیں کا

یہ نظم آئین، یہ طرز بندش، سخنوری ہے، فسوں گری ہے
کہ ریختہ میں بھی تیرے شبلی مزہ ہے طرز علی حزیں کا

تیر قاتل کا یہ احسان رہ گیا — جائے دل سینہ میں پیکان رہ گیا
کی ذرا دست جنوں نے کوتہی — چاک آکر تا بداماں رہ گیا
دو قدم چل کر ترے وحشی کے ساتھ — جادۂ راہ بیاباں رہ گیا
قتل ہو کر بھی سبکدوشی کہاں — تیغ کا گردن پہ احساں رہ گیا
ہم تو پہنچے بزم جاناں تک مگر — شکوۂ بیداد درباں رہ گیا
کیا قیامت ہے کہ کوئے یار سے — ہم تو نکلے اور ارماں رہ گیا
دوسروں پر کیا کھلے راز دہن — جبکہ خود وصل نخ سے پنہاں رہ گیا
جذبۂ دل کا ذرا دیکھو اثر — تیر نکلا بھی تو پیکاں رہ گیا
جامۂ ہستی بھی اب تن پر نہیں — دیکھ وحشی تیرا عریاں رہ گیا
ضعف مرنے بھی نہیں دیتا مجھے — میں اجل سے بھی تو پنہاں رہ گیا
اے جنوں تجھ سے سمجھ لوں گا اگر — ایک بھی تار گریباں رہ گیا
حسن چمکا یار کا، اب آفتاب — اک چراغ زیر داماں رہ گیا
لوگ پہنچے منزل مقصود تک — میں جرس کی طرح نالاں رہ گیا
بزم میں ہر سادہ رو تیرے حضور — صورت آئینہ حیراں رہ گیا

یاد رکھنا دوستو اس بزم میں
آ کے شبلی بھی غزل خواں رہ گیا

پوچھتے کیا ہو جو حال شب تنہائی تھا — رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا

شب فرقت میں دل غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خوننابہ فشاں تھی شب ہجر
ان کو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مرے ذوق خود آرائی تھا

رحم تو ایک طرف پایۂ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں مجنون تھا صحرائی تھا

آنکھیں قاتل سہی پر زندہ جو کرنا ہوتا
لب میں اے جان تو اعجاز مسیحائی تھا

خون رو رو دئے بس دو ہی قدم میں چھالے
یاں وہی حوصلۂ بادیہ پیمائی تھا

دشمن جاں تھے ادھر ہجر میں درد و غم و رنج
اور ادھر ایک اکیلا ترا شیدائی تھا

انگلیاں اٹھتی تھیں مژگاں کی اسی رخ پیہم
جس طرح بزم میں وہ کافر ترسائی تھا

کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقش قدم
چشم عاشق کی طرح اس کا تماشائی تھا

خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا
لحد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

تیس دن کے لئے ترک مے و ساقی کرلوں
واعظ سادہ کو روزوں میں تو راضی کرلوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کرلوں

اے نکیرین قیامت ہی پہ رکھو پرسش
میں ذرا عمر گذشتہ کی تلافی کرلوں

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہو جائے
تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کرلوں

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانہ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کرلوں

جور گردوں سے جو مرنے کی بھی فرصت ملجائے
امتحان دم جاں پرور عیسی کرلوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گذرے فلک دوں سے جو یاری کرلوں

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

درد فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں ترے دشوار ہے آنا ہم کو

جوش وحشت میں ہو کیا ہمکو بھلا فکر لباس
بس کفایت ہے جنوں دامن صحرا ہم کو

رہبری کی دہن یار کی جانب خط نے
خضر نے چشمۂ حیواں یہ دکھایا ہم کو

دل گرا اس کے زنخداں میں فریب خط سے
چاہ خس پوش تھا اے وائے نہ سوجھا ہمکو

واہ کاہیدگی جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں تھے یہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہمکو

قالب جسم میں جان آگئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

کچھ اکیلی نہیں میری قسمت
غم کو بھی ساتھ لگا لائی ہے

منتظر دیر سے تھے تم میرے
اب جو تشریف صبا لائی ہے

نکہت زلف عنبرینہ دوست
آخر اس کوچہ سے کیا لائی ہے

موت بھی روٹھ گئی تھی مجھسے
یہ شب ہجر منا لائی ہے

مجکو لے جا کے مری آنکھ وہاں
اک تماشا سا دکھلا لائی ہے

آہ کو سوئے اثر بھیجا تھا
واں سے کیا جانیے کیا لائی ہے

شبلی زار سے کہدے کوئی
مژدۂ وصل صبا لائی ہے

یار کو رغبت اغیار نہ ہونے پائے
گل تر کو ہوس خار نہ ہونے پائے

اس میں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا
بخت خفتہ مرا بیدار نہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوز دروں
آبلے ہم سخن خار نہونے پائے

چپکے وہ آتے ہیں گلگشت کو اے باد صبا
سبزۂ باغ بھی بیدار نہونے پائے

پھر کہیں جوش میں آجائیں نہ یہ دیدۂ تر
سامنے ابر گہربار نہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے
سبزۂ بیگانہ ہے دوچار نہونے پائے

جمع کر لیجے غمزوں کو مگر خوبی بزم
بس وہیں تک ہے کہ بازار نہونے پائے

آپ جاتے ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حال دل دیکھئے اظہار نہونے پائے

متفرقات

نوجوانوں سے خطاب

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب عہد شباب اپنا
او راب تو سچ یہ ہے جو کچھ امیدیں ہیں وہ ہیں تمسے
جوان ہو تم لب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

حضرت اکبر الہ آبادی کے رقعہ دعوت کا جواب

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں

آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں

لیکن اب میں وہ نہیں ہوں کہ بڑا ابھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں

دل کے بہلانے کی باتیں ہیں یہ شبلی ورنہ
جیتے جی مردہ ہوں مرحوم ہوں مغفور ہوں میں

سیرۃ نبوی کی تکمیل

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زر افشاں ہے

رہی تالیف و تنقید روایتہائے تاریخی
تو اسکے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جان ہے

غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جسمیں اک فقیر بینوا ہے ایک سلطان ہے

ایک ناتمام نظم

اک شہر میں کہ پایۂ تخت قدیم ہے
پچھلے پہر سے آج عجب شور و شین ہے
دیوار و در سے تہنیت فتح ہے بلند
غل ہے کہ آج عیش ہے راحت ہے چین ہے
پرچم ہیں بیرقیں ہیں علم ہیں نشان ہیں
گویا کہ وقت بزم مسرت قرین ہے
مسند نشین ہے تخت حکومت پہ جلوہ گر
دربار ہے کہ جلوہ گہ زیب و زین ہے
ہیں بے حجاب پردہ گیان حریم قدس
جن کی زبان پہ شور ہے نوحہ ہے بین ہے
تاکید ان سے ہے کہ ادب سے کھڑی رہیں
یعنی یہ احترام شہی فرض عین ہے

شہر آشوب اسلام

ریاستہائے بلقان نے ملکر ایک ساتھ ترکی پر حملہ کیا تھا۔ اور اس سے ترکی کو جو نقصان عظیم اٹھانا پڑا اس پر تمام دنیائے اسلام نے خون کے آنسو بہائے تھے۔ ان ہی اشک فشانیوں کے چند قطرات یہ ہیں۔

حکومت پہ زوال آیا تو نام و نشاں کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک
قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک
مراکش جا چکا، فارس گیا، اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک
یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک
یہ سب ہیں رقص بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر ان کو دکھائے گا شہید نیم جاں کب تک
یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جنکو بھاتی ہے
یہ راگ انکو سنائے گا یتیم ناتواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک
یہ جوش انگیزی طوفان بیداد و بلا تا کے
یہ لطف اندوزی ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اسکا امتحاں کبتک

نگارستان خون کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تمکو زخمہائے خوں چکاں کبتک

یہ مانا گرمی محفل کے ساماں چاہئیں تم کو
دکھائیں ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تمکو اپنے درد دل کی داستاں کبتک

یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کبتک

عروس بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں
ہمارے ذرہ ہائے خاک ہونگے درفشاں کبتک

کہاں تک لوگے ہمسے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤگے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھکر یہ کہ دھندلے سے نشان رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤگے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

زوال دولت عثمان زوال شرع و ملت ہے
عزیزو فکر فرزند و عیال و خانماں کبتک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھوگے تم یہ چیستاں کبتک

پرستاران خاک کعبہ دنیا سے اگر اٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قدسیاں کبتک

جو گونج اٹھیگا عالم شور ناقوس کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگ اذاں کبتک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک

کہیں اڑکر نہ دامان حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبار کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کبتک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغان حرم کا آشیاں کبتک

جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو ترکی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امان و شام و نجد و قیرواں کبتک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مساوات

بدر میں معرکہ آرا جو ہوا لشکر کفر
عتبہ ابن ربیعہ تھا امیر العسکر

سب سے پہلے وہی میدان میں بڑھا با تیغ و سپر
ساتھ اک بھائی تھا اور بھائی کے پہلو میں پسر

اس طرح سے مبارز طلبی کی پہلے
مرد میداں کوئی تم میں ہو تو نکلے باہر

بڑھ کے لشکر اسلام سے نکلے پہیم
تین جانباز کہ ایک ایک تھا اس کا ہمسر

سامنے آئے جو یہ لوگ تو عتبہ نے کہا
کس قبیلہ سے ہو کیا ہے نسب جد و پدر

بولے ہم وہ ہیں کہ ہے نام ہمارا انصار
ہم ہیں شیدائی اسلام ہے ہر فرد و بشر

جاں نثاران رسول عربی ہیں ہم لوگ
اک اشارہ ہو تو ہم کاٹ کے رکھ دیتے ہیں سر

بولا عتبہ کہ بجا کہتے ہو جو کہتے ہو
مگر افسوس کہ مغرور ہے اولاد مضر

تم سے لڑنا تو ہمارے لئے ہے مایہ عار
کہ نہیں تیغ قریشی کے سزاوار یہ سر

کہہ کے یہ سرور عالم سے کیا اس نے خطاب
اے محمد صلعم یہ نہیں شیوہ ارباب ہنر

جنگ نا جنس سے معذور ہیں ہم آل قریش
بھیج ان کو جو ہوں رتبے میں ہمارے ہم سر

آپ کے حکم سے انصار پھر آئے صف میں
حمزہ و حیدر کرار نبی تیغ و سپر

ان سے عتبہ نے جو پوچھا نسب و نام و نشان
بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لخت جگر

بولا عتبہ کہ نہیں جنگ سے اب ہم کو گریز
آؤ اب تیغ قریشی کے دکھائیں جوہر

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالب کفو
یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر

بارگاہ نبوی کے جو موذن تھے بلال
کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر

جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینے میں کہیں
جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر

میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں
یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر

ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر

گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

عہد فاروق میں جس دن کہ ہوئی انکی وفات
یہ کہا حضرت فاروق نے با دیدۂ تر

اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر

خلافت فاروقی کا ایک واقعہ

عام الرمادہ کہتے ہیں جس کو عرب میں لوگ
عہد خلافت عمری کا وہ سال تھا

اس سال قحط عام تھا کہ ملک میں
لوگوں کو بھوک پیاس سے جینا محال تھا

پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی تھی ابر سے
ہر خاص و عام سخت پراگندہ حال تھا

اعراب کی بسر حشرات زمیں پہ تھی
سب اٹھ گیا جو فرق حلال و حرام تھا

تشویش سب سے بڑھکر جناب عمر کو تھی ہر دم اسی کی فکر اسی کا خیال تھا
تدبیر لاکھ کی تھی مگر رک سکا نہ قحط گو انتظام ملک میں ان کو کمال تھا
معمول تھا جناب عمر کا کہ متصل کرتے تھے گشت رات کا سونا محال تھا
ایک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں کوسوں تلک زمین پہ خیموں کا جال تھا
بچے کئی تھے ایک ضعیفہ کی گود میں جن میں کوئی بڑا تھا کوئی خوردسال تھا
دیکھا جو اس کو یہ کہ پکاتی ہے کوئی چیز جاتا رہا جو طبع حزیں پہ ملال تھا
سمجھے کہ اب وہ ملک کی حالت نہیں رہی کم ہو چلا ہے قحط کا جو اشتعال تھا
پوچھا خود اس سے جاکے تو رونے لگی وہ آہ کیا آپ کو غذا کا بھی یاں احتمال تھا
بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر میں کیا کہوں زبان سے جو ان کا حال تھا
مجبور ہو کے ان کے بہلنے کے واسطے پانی چڑھا دیا ہے یہ اس کا ابال تھا
ان سے یہ کہدیا ہے کہ اب مطمئن ہو کھانا یہ پک رہا ہے اسی کا خیال تھا
بے اختیار رونے لگے حضرت عمرؓ بولے کہ یہ مرے ہی کئے کا وبال تھا
جو کچھ ہے یہ سب ہے مری شامت عمل از بس گناہگار مرا بال بال تھا
بازار جاکے لائے سب اسباب آب و نان جو زخم قحط کا سبب اندمال تھا
چولھے کے پاس بیٹھ کے خود پھونکتے تھے آگ چہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا
بچوں نے پیٹ بھر کے کھایا تو کھل اٹھے ایک ایک اب تو فرط خوشی سے نہال تھا
تھی وہ زن ضعیف سراپا زبان شکر یاں حضرت عمرؓ کو وہی انفعال تھا
عہدہ عمر کو یہ جو ملا تجھ سے چھین کر جو کچھ گزر رہا ہے یہ اس کا وبال تھا

عدل فاروقی کا ایک واقعہ

ایک دن حضرت فاروق نے ممبر پہ کہا میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کروگے منظور
ایک نے اٹھ کے کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی کہ ترے عدل میں ہمکو نظر آتا ہے فتور
چادریں مال غنیمت میں جو آکے آئیں صحن مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط ایک آئی تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور

اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس
یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور

مختصر بھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز
ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور

اپنے حصے سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور

گرچہ وہ حد مناسب سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مہر بلب تھے چہ اناث و چہ ذکور

روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشہ عدل و مساوات میں سب تھے مخمور

اپنے فرزند سے فاروق معظم نے کہا
تم کو ہے حالت اصلی کی حقیقت پہ عبور

تم ہی دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے یہ مجھے محشر میں مرا رب غفور

بولے یہ ابن عمر سب سے مخاطب ہو کر
اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم قصور

ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور

اپنے حصہ کی بھی میں نے انھیں چادر دیدی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھ کے اے فاروق
حکم دے ہمکو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

مسجد نبوی کی تعمیر

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام
تعمیر سجدہ گاہ خدائے انام تھا

ایک قطعہ زمین تھا کہ اس کام کے لئے
واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعہ زمین تھا یتیموں کی ملک خاص
ہر چند قبر گاہ و گذرگاہ عام تھا

چاہا حضور نے کہ بہ قیمت خرید لیں
ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا

ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی
یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا

یہ ہدیہ حقیر پذیرا کریں حضور
اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضور نے نہ گوارا کیا اسے
منت کشی سے آپ کو پرہیز تام تھا

احسان اور وہ بھی یتیمان زار کا
بالکل خلاف طبع رسول انام تھا

بارہ ہزار سکہ رائج عطا کئے
یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا

سامان جمع ضروریہ تعمیر کے لئے
اب ان کی فکر مشغلہ صبح و شام تھا

مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر — مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک روز نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبار خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال — یہ خود وجود پاک رسول انام تھا
جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے — جس کا کہ جبرئیل بھی ادنےٰ غلام تھا
صلوا علی النبی واصحابہ الکرام — اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا

ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ کا حلم و عفو

ہند تھی پردہ نشین حرم بوسفیاں — لقب ہند جگر خوار سے جو ہے مشہور
بارگاہِ نبوی میں وہ ہوئی جب حاضر — اس ارادہ سے کہ ہو داخل ارباب حضور
عرض کی خدمت اقدس میں کہ اے ختم رسل — دین اسلام ہے مجھکو بدل و جان منظور
آپ ہم پردہ نشینوں سے جو بیعت لیں گے — کون سے کام ہیں جن کا برتنا ہے ضرور
آپ نے لطف و عنایت سے یہ ارشاد کیا — پہلی یہ بات کہ شائبہ شرک سے دور
دوسری یہ کہ نبوت کا ہے لازم اقرار — بولی ان باتوں سے انکار نہیں مجھکو حضور
پھر یہ ارشاد ہوا منع ہے اولاد کا قتل — اس شقاوت سے ہر اک شخص کو بچنا ہے ضرور
عرض کی اس نے کہ اے شمع شبستان رسل — یہ وہ موقع ہے کہ عاجز ہے یہاں فہم و شعور
میں نے اولاد کو پالا تھا بڑی محنت سے — میں انھیں آنکھ میں رکھتی تھی کہ تھے آنکھ کا نور
بدر میں قتل انہیں حضرت والا نے کیا — ہم سے کیا عہد اب اس بات کا لیتے ہیں حضور
اگرچہ یہ سوء ادب تھا غلطی پر مبنی — گرچہ یہ بات بھی خود شیوۂ انصاف سے دور
اسکی اولاد نے خود جنگ میں کی تھی سبقت — لڑ کے مارا جائے کوئی تو یہ کس کا ہے قصور
لیکن آزادیِ افکار تھی ازبسکہ پسند — آپ نے فرط کرم سے اسے رکھا معذور

ہمارا طرز حکومت

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پہ — مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا
قرابت راجگان ہند سے اکبر نے جب چاہی — کہ یہ رشتہ عروس کشور آرائی کا زیور تھا

تو خود فرماں دہِ جیپور نے نسبت کی خواہش کی
ولی عہدِ حکومت اور خود شاہنشہِ اکبر
ادھر راجہ کی نورِ دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی
دلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
دلہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جو لائے تھے
یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی
تمہیں سے دیکھے ساری داستاں ہیں یاد ہر آتا

اگرچہ آپ بھی وہ صاحبِ دیہیم و افسر تھا
گئے انبیر تک جو تخت گاہِ ملک و کشور تھا
ادھر شہزادہ پر چترِ عروسی سایہ گستر تھا
کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا
کہ جنسے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

تنزلِ اسلام کا اصلی سبب

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امرِ صریح
آپ جائیں گے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
ایشیائی ہے اگر یہ تو وہ ہے افریقی
لالہ رخ یہ ہے تو زنگی و سیہ فام ہے وہ
اس نے گہوارۂ راحت میں بسر کی ہی عمر
وہ ازل سے ہے کمند افگن و شمشیر نواز
خوانِ ایوان سے بھی سیری نہیں ہوتی اسکو
اس نے یورپ کے مدارس میں جو سیکھے ہیں علوم
اسقدر فرق و تفاوت یہ بھی ہی عام بات
پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دین
ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
غور کرنے کے لئے فکر و تعمق ہے ضرور
بحثِ ما فیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ

کہ زمانہ میں کہیں عزتِ اسلام نہیں
اس میں تخصیص عراق و عرب و شام نہیں
کوئی چیز ان میں جو ہو مشترک عام نہیں
اور کبھی رابطۂ نامہ و پیغام نہیں
یہ ہنر ہے وہ موزون و خوش اندام نہیں
وہ کبھی خوگرِ آسائش و آرام نہیں
اس کو جز عیش کسی چیز سے کچھ کام نہیں
اس کو گر نان جویں بھی ہو تو ابرام نہیں
وہ ابھی ابجدِ تعلیم سے بھی رام نہیں
قوم کا دفترِ عزت میں کہیں نام نہیں
ہم مسلمانوں میں کوئی صفتِ عام نہیں
سببِ پستیِ اسلام جز اسلام نہیں
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں
منزلِ خاص ہے یہ راہ گزرِ عام نہیں
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں

آپ کھانے کو بنا دیتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں غذا موجبِ اسقام نہیں

اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں

کون ہے شائبہ کفر سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریب ہوسِ خام نہیں

آستانوں کی زیارت کے لیے شدِّ رحال
اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں

کیجیے مسئلہ شرک نبوت پہ جو غور
کفر میں بھی یہ جہانگیری اوہام نہیں

اب عمل پر جو نظر کیجیے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندی احکام نہیں

اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہے وہ رئیس
جس کے چہرہ پہ فروغِ مئے گلفام نہیں

نصِ قرآن سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
اس اخوت میں خصوصیتِ اعمام نہیں

یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہے بھائی دشمن
کونسا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں

نہ کہیں صدق و دیانت ہے نہ پابندی عہد
دل ہیں ناصاف زبانوں میں جو دشنام نہیں

آیت فاعتبروا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
علما کو خبر گردش ایام نہیں

الغرض عام ہے وہ بے خبری دینی ہے
صاف یہ بات ہے دھوکا نہیں ابہام نہیں

ان حقائق کی بنا پر سببِ پستی قوم

مذہب یا سیاست

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو
وہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار

یہ کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں
کر دیا ذرۂ افسردہ کو ہمرنگ شرار

ہے یہ وہ قوتِ پر زور کہ جس کی تکرار
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشتِ غبار

اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیاد زمین
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراقِ دیار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہ کسریٰ میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں
جن کے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کے چمن آرائے بہار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

یا کوئی جاذبۂ ملک و وطن تھا جس نے — کردئیے دم میں قوائے عملی سب بیدار
ہے اسی مے سے یہ سرمستی احرار وطن — ہے اسی نشہ سے یہ گرمی ہنگامۂ کار
آپ دونوں سے کئے دیتے ہیں ہمکو محروم — نہ سیاست ہے نہ ناموس شریعت کا وقار
مدتوں بحث سیاست کی اجازت ہی نہ تھی — کہ وفاداری مسلم کا تھا یہ خاص شعار
اب اجازت ہے مگر دائرۂ بحث یہ ہے — کہ گورنمنٹ سے اس بات کے ہوں عرض گزار
ہم کو پامال کئے دیتے ہیں ابنائے وطن — ڈر ہے پس جائے نہ یہ فرقۂ اخلاص شعار
یہ بھی اک گونہ شکایت ہے غلاموں کو ضرور — کہ مناصب میں ہے کم حلقہ بگوشوں کا شمار
اب رہا جذبۂ دینی تو وہ اس طرح مٹا — کہ ہمیں آپ ہی آتا ہے اب اس نام سے عار
وضع میں طرز میں اخلاق میں تیرہ میں کہیں — نظر آتے نہیں کچھ حرمت دیں کے آثار
آپ نے ہمکو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم — اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار
بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی حکمت تھا — کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار
ہمنے پہلے بھی تو اغیار کے سیکھے تھے علوم — ہمنے پہلے بھی تو اس نشہ کا دیکھا ہے خمار
نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہر چند — تھے فلاطون الٰہی کے بھی گوش گزار
جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہل نظر — کہ حریفوں کو نہیں انجمن خاص میں بار
یعنی یہ بادۂ عرفان کے نہیں ذوق شناس — بزم اسرار کے یہ لوگ نہیں بادہ گسار
آج ہر بات میں ہے شان تفرنج پیدا — آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہیں شعار
ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک مقبول — کہ جہاں تک انہیں معقول بتا دیں اغیار

ہجرت نبوی

جبکہ آمادۂ خوں ہوگئے کفار قریش — لاجرم سرور عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز — گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرت بوبکر تھے ہمراہ رکاب — اُنکی اخلاق شعاری تھی جو منظور نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے — کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر

تیرے لطف و کرم عام نے دیدی یہ ندا
کوئی مجرم ہے نہ قیدی ہے نہ زندانی ہے

تو نے اک آن میں گرتا ہوا گھر تھام لیا
بازوؤں میں یہ ترے زورِ جہانبانی ہے

بات رکھ لی تری تقریر نے احکام کی بھی
گرچہ لازم انھیں اظہارِ پشیمانی ہے

تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراقِ سپاس
اُن میں یہ پیشکشِ شبلیِ نعمانی ہے

گرچہ مدحِ امرا میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکرِ احسان مگر اک فطرتِ انسانی ہے

اسلام کا نظامِ حکومت

جب ولی عہد ہوا تختِ حکومت کا یزید
عاملِ یثرب و بطحا کو یہ پہنچے احکام

کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور
خطبہ پڑھتا ہے حریمِ نبوی میں جو امام

وقت آیا تو چڑھا پایۂ ممبر پہ خطیب
اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیرِ اسلام

یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکر و عمرؓ
جانشین کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام

جھوٹ ہے یہ کہ ہے یہ سنّتِ ابوبکر و عمرؓ
سر بسر کذب ہے یہ اے خلفِ نسلِ لئام

اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے
ایسی بدعت کا نہیں مذہبِ اسلام میں نام

یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے
ورنہ اسلام ہے اک مجلسِ شوریٰ کا نظام

شانِ اسلام ہے شخصیتِ ذاتی سے بعید
شرع میں سلطنتِ خاص ہے ممنوع و حرام

اس سے بھی قطع نظر نسلِ عرب ہیں ہم لوگ
وہ کوئی اور ہیں جو ہوتے ہیں شاہوں کے غلام

ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر

کافروں نے یہ کیا جنگِ احد میں مشہور
کہ پیمبرؐ بھی ہوئے کشتۂ شمشیرِ دودم

ہو کے مشہور مدینے میں پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینانِ عفاف
جن میں تھیں بیوہ کہ بھی بانو یہ دُمُم

ایک خاتون کہ انصار تھی نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں کہ تھی بالفرض ہوش و حواس اُنکے بہم

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا — کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی — تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم

سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید — گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اُس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا — یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ امم

رب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضورؐ — گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اُسنے رُخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا — تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا — اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

منکرمی بودن وہمرنگ مستاں زیستن

معترض ہیں مجھ پہ میرے مہربانان قدیم — جرم یہ ہے میں نے کیوں چھوڑا وہ آئین کہن

میں نے کیوں لکھے مضامین سیاست پے بہ پے — کیوں نہ کی تقلید طرز رہنمایان زمن؟

کانگرس سے مجھکو اظہار برأت کیوں نہیں — کیوں حقوق ملک میں ہوں ہندوؤنکا ہم سخن

خیر ہیں تو شامت اعمال سے جو ہوں سو ہوں — آپ تو فرمائیے کیوں آپنے بدلا چلن

آپنے شملہ میں جاکے کی بھی تھی جو کچھ گفتگو — ماحصل اس کا فقط یہ تھا پس از تمہید فن

سعی بارز سے ملیں جب ہندوؤں کو کچھ حقوق — اس میں کچھ حصہ ملے ہم کو بھی بہر بہجتن

لیکن اب تو آپ کی بھی کھلتی جاتی ہے زبان — آپ بھی اب تو اڑاتے ہیں وہی طرز سخن

اب تو مسلم لیگ کو بھی خواب آتے ہیں نظر — اب تو ہے کچھ اور طرز نغمۂ مرغ چمن

ملک پر اپنی حکومت چاہتے ہیں آپ بھی — تھا یہی تو منتہائے فکر یاران وطن

آپنے بھی ابتو نصب العین رکھا ہے وہی — کانگرس کا ابتدا سے ہے جو موضوع سخن

آپ بھی تو جادۂ (ریڈ) سے اب ہیں منحرف — ابتو اوراق وفا پر آپ کے بھی ہے شکن

جب یہ حالت ہے تو پھر میرے ہو کیوں خشم و عتاب — منکرمی بودن و ہمرنگ مستاں زیستن

احرار قوم اور طفل سیاست

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے — احرار قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی

چلتے ہیں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی

زود اعتقادیاں ہیں تلون ہے وہم ہے
ہو جاتے ہیں ہر ایک سے یہ بدگماں ابھی

دل میں نہ عزم ہے نہ ارادوں میں ہے ثبات
جھیلے نہیں ہیں معرکۂ امتحاں ابھی

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں
باہر ہے اختیار سے اُن کے زباں ابھی

ہر دم ہیں گو مسائل ملکی زبان پر؟
ان میں سے ایک بھی تو نہیں نکتہ داں ابھی

یہ سب بجا درست مگر سچ جو پوچھئے
جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثر رفتگاں ابھی

یہ ہے اسی سیاست پارینہ کا اثر
گو شمع بجھ چکی ہے مگر ہے دھواں ابھی

موزوں نہیں ہے جنبش اعضا تو کیا عجب
شب کے خمار ہیں یہ انگڑائیاں ابھی

چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں
چھوٹے ہیں قید سخت سے یہ سخت جاں ابھی

بیکار کر دیے تھے جو خود بازوئے عمل
گو کھینچتے ہیں پر نہیں کھنچتی کماں ابھی

آئے کہاں سے قوتِ رفتار پاؤں میں
کچھ بیڑیاں ہیں پاؤں کی بند گراں ابھی

غوں غاں ہے کچھ مباحث ملکی نہیں ہیں یہ
اک طفل ہے سیاست ہندوستاں ابھی

عدل جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر اُدھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ میں آ گئے ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزان شبستان شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

نخوتِ حُسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن

ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن

اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حُسن میں جاری ہے یہی شرع کہن

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتیِ دیں نے یہ بے خوف و خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن

لوگ دربار میں اس حکم سے تھرا اٹھے
پر جہانگیر کی ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن

ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن

پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

یہ وہی نورجہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہ زمن

اسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن

اب نہ وہ نورجہاں ہے نہ وہ انداز و غرور
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن

مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن

وارثوں کو جو دیئے لاکھ درہم بیگم نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہ زمن

ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یقین
کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن

اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن

دفعتہً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ میکردم من

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اک روز جرمنوں نے کہا ازرہِ غرور
آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں

برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم
اُسپر یہ لطف ہے کہ وہ تیار بھی نہیں

باقی رہا فرانس تو وہ رندِ لم یزل
آئین شناسِ شیوۂ پیکار بھی نہیں

میں نے کہا غلط ہے ترا دعوائے غرور
دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

ہم لوگ اہلِ ہند ہیں جرمن سے دس گنے
تجھکو تمیز اندک و بسیار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تجزیہ و تعزیہ

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفریق و تجزی تھی
یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا
وضوخانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

جنگ زرگری

معائنۂ ندوۃ العلماء

کیا لطف ہے کہ حامیٔ ندوہ ہیں اب وہ لوگ
جنکو کہ اس کے نام سے بھی اجتناب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں یہ ندوۂ غریب
ایک بیہودہ خیال تھا یا ایک خواب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں تعلیم کا وہ طرز
اعلانِ جنگ سیدِ عالی جناب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں یہ ندوۂ حقیر
تعلیم مغربی کے لئے سدِّ باب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں ندوہ کا وہ طلسم
سرتاقدم فریب دہِ شیخ و شاب تھا

ندوہ کا نام سنکے جو کھاتے تھے پیچ و تاب
جنکے لئے وہ موجب رنج و عذاب تھا

حیرت یہ ہے کہ مجمع دہلی میں یہ گروہ
ندوہ کے حل و عقد کا نائب مناب تھا

ندوہ پہ حرف گیر جو ہوتا تھا کوئی شخص
وہ اس گروہ پاک کا وقف عتاب تھا

ندوہ میں کوئی نقص بتاتا تھا گر کوئی
اُن کی طرف سے ایک کا سو سو جواب تھا

سیارگان چرخ علی گڈھ تھے پیش پیش
جن میں کوئی قمر تھا کوئی آفتاب تھا

حیرت میں تھے تمام تماشائیان بزم
یعنی یہ کیا طلسم تھا۔ کیا انقلاب تھا

ندوہ کہاں کہاں وہ علی گڈھ کی انجمن
اُس بزم قدس میں یہ کہاں باریاب تھا

کس دن کی دوستی ہے یہ کب کا ہے ارتباط
یوں کب وہ مورد کرم بے حساب تھا

شایان آفرین ہے وہی ندوۂ غریب
جو مدتوں سے موردِ خشم و عتاب تھا

سرشار ہے حمایت ندوہ میں وہ گروہ
جسکو کہ اُسکے ذکر سے بھی اجتناب تھا

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیان ہوا ہے وہ آغاز باب تھا

آتا ہے اب معائنہ ندوہ کا وہ شن
جو ختم سمراع مجمع نصفت شعار ہے

جن میں سے کچھ شریک نزاع قدیم ہیں
کچھ ابتدا سے بانی آغاز کار ہے

جن میں سے کوئی محکمہ راز کا شریک
مضمون آفتاب کا مضمون نگار ہے

خود کوزہ گر ہو خود گِل کوزہ بھی ہے وہی
جو صلح ہے وہی روش کارزار ہے

کیا شان ایزدی ہے وہی ندوہ علوم
جو مدعیِ رہبری روزگار ہے

جو مایۂ امید ہے نسل جدید کا
جو کاروانِ رفتہ کی اب یادگار ہے

جن کو یہ حسنِ ظن ہے کہ یہ مجمع کرام
جس کا کہ مصر و شام میں اب تک وقار ہے

آیا تھا جس کے شوق میں وہ فاضل عرب
جس کا مرقع ادبی المنار ہے

چلتے ہیں جس کے نقش قدم پر حریف بھی
گو اعتراف حق سے ابھی اُنکو عار ہے

جس نے خطابت عربی کو دیا رواج
جو فنّ جرح و نقد کا آموزگار ہے

جس نے بدل دیا روش و شیوۂ قدیم
جو رہبر طریقۂ اصلاح کار ہے

آتے ہیں اُس کی جا پہ جو نا آشنائے فن
یہ انقلاب گردش لیل و نہار ہے

تعلیم مشرقی سے نہیں جنکو کچھ غرض
وہ اب نہ اُن کا نازکش اقتدار ہے

ارباب ریش و جبۂ اقدس کا وہ گروہ
اب چند منشیوں کا اطاعت گذار ہے

یہ داستان درد یہ افسانۂ الم
ندوہ کا نوحۂ نفس اختصار ہے

بربادی خانماں

وہ برادر کہ مرا یوسف کنعانی تھا
وہ جو گھر بھر کے لئے رحمت یزدانی تھا
بل اسی کا یہ مرے خامۂ پُرزور میں تھا
ہم سے بیکاروں کو اک قوت عامل تھا وہی
مسند والد مرحوم کے قابل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں

وہ مجموعۂ ہر خوبی انسانی تھا
قوت دست و دل شبلی نعمانی تھا
جوش اسی کا تھا جو میرے سر پرشور میں تھا
مایۂ عزت اجداد کا حامل تھا وہی
یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
ہائے افسوس میں اسحٰق کہاں سے لاؤں

جب کیا والد مرحوم نے دنیا سے سفر
گھر کا گھر تھا ہدف ناوک صد گونہ خطر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت میں سپر
تیر جو آئے گیا آپ وہ اُن کی زد پر
خود گرفتار رہا۔ تاکہ میں آزاد رہوں
اُسنے غم اسلئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں

اس کا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بےغم
گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج و الم
امن و راحت کے جو سامان تھے ہر طرح بہم
میں تھا اور مشغلۂ نامہ و قرطاس و قلم
اسکے صدقہ سے تھی میری سخن آرائی بھی
اس کا ممنون تھا مرا گوشۂ تنہائی بھی

تازہ تھا دل پہ مرے مہدی مرحوم کا داغ
کہ مرا قوت بازو تھا مرا چشم و چراغ
اُسکو جنت میں جو خالق نے دیا گنج فراغ
میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی ہے ترو تازہ یہ باغ
یعنی وہ آئینہ خوبی و اخلاق تو ہے
اُٹھ گیا مہدی مرحوم تو اسحاق تو ہے

آج افسوس کہ وہ نیر تاباں بھی گیا
میری جمعیت خاطر کا وہ ساماں بھی گیا
اب وہ شیرازۂ اوراق پریشاں بھی گیا
عتبۂ والد مرحوم کا درباں بھی گیا
گلۂ خوبی تقدیر رہا جاتا ہے
نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے

تجھکو اے خاک لحد آج اجل نے سونپی
وہ امانت جو میرے والد مرحوم کی تھی
بسکہ فطرت میں ودیعت تھی نفاست طلبی
نازپروردۂ نعمت تھا پہ ایں سادہ وشی
دیکھنا اُڑ کے غبار آئے نہ دامن پہ کہیں
گرد پڑ جائے نہ اُس عارض روشن پہ کہیں

اسکے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار
وہ شکر ریز تبسم وہ متانت وہ وقار
وہ وفاکیشی جناب وہ مردانہ شعار
وہ دل آویزی خو وہ نگہ الفت یار
صحبت رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی
اُسکی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی

حق نے کی تھی کرم و لطف سے اُسکی تخمیر
خوبی خلق و تواضع میں نہ تھا اُس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر
اُسکی اک ذات تھی مجموعۂ اوصاف کثیر
بسکہ خوش طبع بھی تھا صاحب تدبیر بھی تھا
سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا

اُسکو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
وہ گرفتار کمند ہوس خام نہ تھا
اُسکی ہر بات میں ایک لطف تھا ابرام نہ تھا
وہ کبھی مدعیٔ رہبری عام نہ تھا

اُسکو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی
اُسکی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اُسکو معلوم جو تھا وسعت تعلیم کا راز
اُسنے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز

اُس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز
مگر افسوس کہ تھا راہ میں خش و تگ و تاز

کوششوں کے جو نتیجے تھے اُسے مل نہ سکے
ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے مگر کھل نہ سکے

آہ بھائی ترے مرنے کے تھے یہ بھی کوئی دن
وہ ترا جوش شباب اور وہ بچے کمسن

مسند حلقۂ احباب ہے سونی تجھ بن
تو ہی تھا اب خلف صدر نشینان مُسِن

دن جب آئے کہ تجھے رہبر جمہور کہوں
چرخ کا مجھ سے تقاضہ ہے کہ مغفور کہوں

یہ بھی اے جان برادر کوئی جانیکا ہے طور
اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور

ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور
کیا ہوا تجھکو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور

چھوڑ کر بچوں کو بے صبر و سکوں جاتا ہے
کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں دنیا سے جاتا ہے

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھکو تمیز
تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز

میں نے مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز
رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اُسنے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اسکے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلی دلخستہ بایں موئے سفید
لیکے آیا ہے تری درگہ عالی میں امید

مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید
خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ حمید

کیا لکھوں قصۂ غم تاب رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامۂ پر زور میں دم بھی تو نہیں

خطاب باحرار

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی خوب کیا
قوم اب طوق غلامی سے ہے بالکل آزاد

لوگ اب حلقۂ تقلید میں ہونگے نہ اسیر
ٹوٹ جائے گا طلسم اثر استبداد

ہاں مگر ایک گذارش بھی ہے یہ قابل غور
یہ تو فرمائیے اس باب میں ہے کیا ارشاد

بتکدے آپنے ڈھائے بہت اچھا لیکن
شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی رکھیے بنیاد

آبلہ قابل نشتر تھا۔ یہ مانا لیکن
دیکھیے یہ۔ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد

آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمع ناجائز تھا
خیر جو کچھ تھا مگر جمع تو تھے کچھ آزاد

اب کوئی مرکزِ قومی ہے نہ توحیدِ خیال
نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشہ و زاد

خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم
خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہو پھر آباد

ذرّے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کر فنا
یوں ہی ہو جائیگی پھر قوم بھی آخر برباد

نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیش نہاد

بھاپ پُر زور ہے لیکن کوئی انجن بھی تو ہو
کام کیا آئیگا نشتر جو نہ ہوگا فصّاد

آنحضرت صلعم کی غربا نوازی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا

گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جنابِ رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؓ نے انکے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا

میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب اُن پر گذرتی ہیں
میں اس کا ذمہ وار ہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے انکا حق
جنکو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیّدہ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی بسر اہلبیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیرالانام تھا

مولانا شبلیؒ کی زندگی کے مختصر اور جامع حالات اور علمی ترقی

(مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے)

مولانا شبلی کی وفات سے مسلمانوں میں جو کمی ہو گئی ہے اس کا پورا ہونا بہت دشوار ہے۔ ہندوستان میں بہت سے علماء و فضلا پیدا ہونگے بہت انگریزی کے قابل و متبحر پیدا ہونگے بہت سے شعراء بہت سے مصنف پیدا ہوں گے مگر شبلی پیدا ہوں ممکن نہیں وہ اس عالم سے چلے گئے اور اُس جنت میں پہنچے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا کسی کی یاد میں نوحہ و بکا کرنا سے ستاتا ہے لہذا ہم اپنی آہ و زاری سے اُنکی وہاں کی مسرت ابدی و فارغ البالی میں فرق نہ ڈالتے اور انہیں نہ ستاتے مگر کیا کریں کہ شبلی ہیو نشیں نہ دنیا میں کوئی نظیر چھوڑ گئے ہیں اور نہ آپکے سے محقق گراں پایہ کے پیدا ہونے کی امید ہے اور یہ ایسا غم جانکاہ ہے کہ ہمیں نہ آج ہی بے چین سے بیٹھنے دیگا نہ کبھی آیندہ۔

مولانا کے علمی کارناموں کا آغاز ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہمارے ہی سامنے اُنھوں نے ترقی کی شہرت حاصل کی اور ہماری ہی آنکھوں کے سامنے دنیا سے سدھار گئے ہم سے اُن سے طالب علمی کے زمانہ سے ملاقات تھی اُن کا سنہ ولادت تو ہمیں یاد نہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ ہم اور وہ قریب العمر ہیں۔ مولانا کے ہجوم امراض قبض و بواسیر کی تکالیف اور معدہ کی کمزوری نے بہت ہی ضعیف اور ناتوان بنا دیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی عمر اصل سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اُن کے بیان کے مطابق اُن کی عمر ۵۵-۵۶ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدائے عمر میں درسیات و کتب معقول انہوں نے اپنے وطن میں مولوی محمد فاروق صاحب چڑیاکوٹی سے پڑھیں۔ چند روز بحیثیت طالب علم جونپور کے مدرسہ حنفیہ میں رہے غالباً مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب مرحوم سے تحصیل کی، آخر میں ادب عربی کے شائق بن کے لاہور پہونچے اور مولانا فیض الحسن صاحب سے پرائیویٹ طور پر ادب کی کتابیں پڑھیں۔ شاید اس وجہ سے پنجاب کے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کی ڈگریاں مولوی عالم اور مولوی فاضل حاصل کیں مگر یہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے یہ ہمیں نہیں معلوم کہ مولانا نے حدیث

کی کتابیں پڑھیں یا نہ پڑھیں تو کہاں اور کس سے پڑھیں۔

تحصیل علم کے بعد مولانا نے ارادہ کیا کہ قانونی پیشہ اختیار کرکے مختاری و وکالت کی سندیں حاصل کریں حسب غرض کے لئے چندروز تک ضلع بستی میں قیام کیا مگر حالت اور رجحان طبیعت سے آشکارا ہو رہا تھا کہ جس میدان میں فروغ پانے کے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے وہ میدان یہ نہیں ہے چنانچہ اُن دنوں اگرچہ مقدمہ فہمی اور عدالتی کارروائیوں سے کام رہتا تھا مگر اُن کا مشغلہ علمی مباحث اور عالمانہ تصانیف ہی تھا۔

مولانا نے جن درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی اور جن اساتذہ سے اُن کی صحبت نے ابتدا ہی میں اُنہیں سخت حنفی بنا دیا تھا اسی شوق میں انھوں نے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کا لقب لکھنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے بعض ناواقف لوگوں نے انہیں غلطی میں پڑکر نسباً نعمانی یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی کی نسل میں خیال کرلیا مگر اس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے وہ متشدد حنفی تھے اور حنفیت میں اپنے آپکو اوروں سے ممتاز ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اسی جوش کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امام صاحبؒ کی سوانح عمری اُنھوں نے **سیرۃ النعمان** لکھی تو امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری پر جابجا حملے کئے اور علی العموم گروہ محدثین کے اصول سے اختلاف کیا کرتے یہاں تک کہ امام ابوالحسن اشعری بھی محض اتباع حدیث کے باعث اُن کے مورد سہام بن گئے۔ اُن دنوں مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی کی درسگاہ کی شہرت تھی جنکے فیض علمی سے سارا ہندوستان بلکہ ممالک دور دراز کے لوگ بھی بہرہ یاب ہو رہے تھے مولانا عبدالحی صاحب کی یہ شان تھی کہ بخلاف تمام موجودہ علماء کے ائمہ حنفیہ سلف میں سے جسکے قول کو اہل حدیث مذہب سے قریب تر پاتے اختیار کرلیتے۔ اور بہت سے مسائل میں اہل حدیث کے ہم خیال تھے چنانچہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں انھوں نے امام محمد کا مذہب اختیار کرلیا تھا اور سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب بتاتے تھے، یہ امر مولانا شبلی کو سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اُن کی تردید میں ایک عربی رسالہ لکھکر شائع کردیا جس کا نام (اسکات المعتدی) تھا اور جیسے ہی اسکی اشاعت ہوئی اس کی تردید میں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے فاضل شاگردوں سے مولوی نور محمد صاحب ملتانی اور ملا شعیب نے اپنے اپنے رسالے

شائع کئے جن میں علاوہ نفس مسئلہ کے ادبی غلطیاں بھی نکالیں تھیں۔

مولانا انہی بحثوں میں پڑے ہوئے تھے کہ علی گڈھ کالج کو عربی کے ایک اچھے ادیب اور فاضل مدرس کی ضرورت ہوئی انہوں نے مولوی فیض الحسن صاحب کی تصدیق وسفارش سے درخواست بھیجی سید صاحب نے مولانا کی درخواست کو قبول کرلیا چنانچہ مولانا بستی اور وہاں کے قانونی مشاغل کو چھوڑکر لکھنؤ ہوتے ہوئے علی گڈھ گئے میں اس وقت دار وغہ حیدر بخش کی مسجد میں ان سے ملا تھا اور ان کے چہرہ سے محسوس کرتا تھا کہ یہاں کے طلبہ میں سے ہرایک کو وہ وحشت وبدگمانی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر باوجود اس وحشت کے طلبہ ہی میں تھے اس لئے کہ اس وقت تک پبلک سے اُن کو سروکار نہ تھا۔

علی گڈھ میں سید صاحب نے اُنہیں اپنی کوٹھی کے احاطے کے اندر ایک چھوٹے سے مکان میں جگہ دی جو سب سے الگ بالکل باہمہ اور بے ہمہ تھا اور ایک خاموش مقام تھا ان میں جستجو وتحقیق کا سچا مذاق دیکھکر سید صاحب نے اُن سے ربط وضبط بڑھایا اکثر کھانا ایک ساتھ کھاتے اور روزانہ بلا ناغہ مولانا اور سید صاحب میں گھنٹوں صحبت رہتی۔

سید صاحب ہمیشہ اعتقادی وکلامی مسائل اور مورخانہ تحقیق کے غور وخوض میں رہتے اور تحقیق وتدقیق کے لئے اُنہیں اکثر حدیث وفقہ وتاریخ وسیر کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی اس کام کو اُنہوں نے مولانا شبلی سے لینا شروع کردیا۔ مولانا شبلی نے اس خدمت کو ایسی خوبی اور قابلیت سے انجام دیا کہ جسقدر سید صاحب کی دقیقہ رسی اور وسعت نظر کے مولانا شبلی قائل ہوتے جاتے تھے اس سے زیادہ سید صاحب اُن کی جستجو اور جلب روایات کے معتقد ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں مجھے بارہا مولانا شبلی کے پاس جاکے ٹھہرنے اور اُن کے ذریعہ سے خود سید صاحب کا مہمان بن جانے اور دونوں کے ساتھ ہفتوں کھانا کھانے اور شریک صحبت رہنے کا موقع ملا۔ مولانا سے اور مجھ سے حد درجہ کی بے تکلفی تھی اور میں اس بات کو ہر صحبت میں محسوس کرتا تھا کہ وہ اور سید صاحب دونوں کسقدر ایک دوسرے کے علمی کمالات کے معترف ہوتے جاتے

ہیں۔ سید صاحب کے اعتراف کی تو یہ حالت تھی کہ کوئی کام بغیر اُنکے مشورہ کے نہ کرتے اور مولٰنا شبلی کے اعتراف کا یہ ثبوت ہے کہ میرے علم میں اُن کی سب سے پہلی نظم جو اُن دنوں شائع ہوئی تھی (صبح امید) ہے جس میں اُنھوں نے مسلمانوں کی غفلت اور سید صاحب کی برکت سے اُن کے بیدار ہونے کو نہایت ہی پرلطف اور موثر الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ اور اسی زمانہ میں علی گڈھ کے ایک طالب علمانہ تھیٹر میں انھوں نے اپنی ایک قومی نظم سنائی تھی۔ اِن چیزوں نے اُنھیں فارسی اور اردو کا ایک مقبول عام شاعر ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ ایک دقیقہ رس شاعر تھے اور اپنی نظموں کو ایسی نغمہ خیز دھن میں سنایا کرتے تھے کہ پبلک نے بہت پسند کیا اور طلبہ نے اُسے اختیار کر کے قومی نغمہ خوانی کی ایک مقبول عام دھن بنا کے سارے ہندوستان میں پھیلا دیا مگر پھر بھی میں کہونگا کہ وہ شاعر نہ تھے اور نہ شاعری کے لئے پیدا ہوئے تھے بلکہ علم کے عالم میں اُن کی شان ایک شاعر کے درجہ سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی۔

اب سید صاحب کے توجہ دلانے سے وہ تاریخی تنقید و تحقیق میں مصروف تھے جسکا سب سے پہلا نمونہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم پر اُن کا لکچر تھا جسے انھوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے یا تیسرے اجلاس میں پیش کیا تھا لکچر مسلمانوں کی نظر میں بالکل نئی اور بہت ہی دلچسپ چیز تھا چنانچہ جب اسپر دلگداز میں ریویو ہوا ہے۔ تو کوئی نہ تھا جو اس کے دیکھنے کا مشتاق نہ ہو گیا ہو۔ اسی نوعیت کی اُن کی دوسری کتاب المامون تھی جو علی العموم بہت پسند کی گئی اور اسی کتاب نے پہلے پہل پبلک کو بتایا کہ مولانا شبلی کس قسم کے مصنف ہیں اور یہ کہ وہ آیندہ کیسے ثابت ہونیوالے ہیں۔

اب سید صاحب کی صحبت اور پبلک کی حوصلہ افزائی نے مولانا کو اسی کوچہ میں آگے بڑھانا شروع کیا سیرۃ النعمان لکھی۔ الفاروق لکھی اور تاریخی جستجو کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کتابوں کی تلاش میں قسطنطنیہ پہنچے اور واپس آکے اپنا سفرنامہ شائع کیا جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شوق میں وہاں گئے تھے وہ پورا نہ ہوا اور اسی وجہ سے اُن کی یہ تصنیف بھی ایک ناکام تصنیف ہے۔

اس موقعہ پر اُن کے خیالات کے متعلق اس نازک انقلاب کا بیان کر دینا بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ سرسید درصل غیر مقلد اور اہل حدیث کے گروہ میں تھے لیکن مسائل کلامی اور انگریزی اثر نے غیر مقلد سے ایک بڑی حد تک انہیں معتزلی بنا دیا تھا۔ سید صاحب کی صحبت کا اثر مولانا شبلی پر نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ مگر اہل حدیث کی طرف سے ان کے دل میں جو بھڑک تھی۔ وہ بھی ممکن نہ تھا۔ کہ انہیں نعمانیت اور حنفیت کے دائرے سے باہر نکلنے دیتی۔ لہذا بغیر اس کے کہ غیر مقلدی کا کچھ بھی رنگ چڑھنے پائے وہ بلا واسطہ نعمانی سے معتزلی بننے لگے۔ اور آخر میں اس بات کی کوشش شروع کی۔ کہ خود حنفیت کو اصلی اعتزال ثابت کریں۔ اور بخلاف متاخرین حنفیہ کے جو حنفیت کو اشعری طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حنفیت کو اشعریت کا سخت دشمن اور فقہ کے پردہ میں چھپی ہوئی معتزلیت ثابت کرنا چاہا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ انگریزی طلبہ ان کی باتوں سے خوش ہو ہو کر دینداری و خوش اعتقادی کے دھوکے میں معتزلی ہونے لگے۔ اور موجودہ علمائے حنفیہ سے انکو سخت عناد ہوگیا۔

اب ان کے ساتھ ہی ان میں ایک دوسرا تغیر شروع ہوا۔ ان میں باوجود انتہا درجہ کے اخلاق کے خودداری کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا۔ سید صاحب کی صحبت علی گڈھ کالج کی مرجعیت اور ان کی ذاتی قابلیت نے انہیں ابتداءً اس حیثیت سے پبلک میں انٹرڈیوس (متعارف) کرایا۔ کہ سید صاحب کے گروہ کے ایک نامور بزرگ اور انکی فوج کے ایک نامی پہلوان ہیں خصوصاً جب وہ سید کے ہمراہ رکاب حیدر آباد گئے۔ تو مسلمانوں میں اس خیال کو اور پختگی ہو گئی۔ مگر خود مولانا شبلی کی خودداری اس حیثیت کو اپنی ان تصنیفوں اور نظموں کو تو وہ مٹا نہ سکتے۔ جن میں خود ہی اپنی اس حیثیت کو آشکارا کر چکے تھے لیکن اب اس بات کو ناقابل برداشت دیکھ کر علی گڈھ کالج سے علحدگی اختیار کرکے ندوۃ العلماء میں شرکت کی اور سمجھے کہ اس ذریعہ سے میں علماء کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجہ پر پہنچ جاؤنگا جو سید صاحب کے درجے سے بھی بافوق ہے میں نے بارہا ان کو اس خیال سے روکا اور اسی زمانہ میں کہدیا تھا۔ کہ علماء میں ہیں آپ داخل

نہیں ہیں۔ ان مرحومین امت میں سے ہر ایک پریسیڈنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس زمانہ میں فقط پریسیڈنٹ ہی پریسیڈنٹ ہوں۔ اس پر آیہ کریمہ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا پوری پوری صادق آتی ہے۔ ان کے بہت سے دوستوں نے بھی روکا اور کہا۔ کہ آپ کی ترقی کا میدان علی گڈھ کالج ہی ہے۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو انہوں نے ندوہ کو بیحد فائدہ پہنچایا اور ندوہ کو ندوہ بنادیا۔ مگر آخر میں ندوے والے مرحومین امت ہی کے ہاتھ سے مار کھا گئے۔ جس کا ان کے دوستوں کو بیحد ملال ہوا۔ اور وہ خود بھی اپنی اس محنت کے اکارت جانے پر کف افسوس ملتے ہوئے مرے۔

دوسری طرف علی گڈھ پارٹی سے علٰحدہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے تعلیم یافتہ گروہ میں سے بہت سے قابل لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔ جو ظاہر میں تو ان سے موافق تھے مگر موقع پاتے ہی ان پر اعتراض کر جاتے ادھر مولانا کے دل میں کچھ ایسی ضد پیدا ہو گئی۔ کہ سید صاحب کا جو درجہ ان کے قدر شناسوں کے دل میں تھا اس سے انہیں گرانا چاہتے۔ اور بعض صحبتوں میں ایسی باتیں کہہ جاتے جو لوگوں کو اور زیادہ ناگوار گذرتیں ندوہ کا انتظام ہاتھ میں لینے کے زمانہ میں ان کی یہ حالت تھی۔ کہ کالج میں اور مسلمانوں کے ساتھ سید صاحب کا جو طرز عمل دیکھ چکے تھے۔ اس کو اپنا دستور العمل قرار دے لیا تھا۔ اور ساتھ ہی سید صاحب سے اپنی علٰحدگی اور برات ثابت کرنے کی کوشش کرتے مگر دراصل یہ وہ باتیں تھیں جو ان سے کبھی بنائے نہ بنیں۔

اسی دوران میں انہوں نے اور کئی کتابیں لکھیں۔ ان کی سب سے زیادہ مقبول کتاب "الفاروق" علی گڈھ میں شائع ہو چکی تھی۔ اسکے بعد علم الکلام۔ الکلام۔ سوانح مولٰنا روم، الغزالی۔ اور رنگ زیب پر ایک نظر لکھی۔ شاعرانہ مذاق میں تاریخی جستجو کے امتزاج نے ان سے موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم کو تصنیف کرایا۔ مگر سب سے اہم تصنیف سیرۃ النبی صلعم ہے جس کو ناتمام چھوڑ کے دنیا سے گئے ہیں۔ ان کی وصیت کے موافق مولٰنا حمید الدین صاحب اور مولوی سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال نے آخر تک حرچ گرہ ہی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کوشش ہو رہی

ہے۔ کہ یہ کام بہت جلد پورا ہو۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ یہ مولانا کی اعلیٰ ترین اور مفید ترین تصنیف ثابت ہوگی۔

مولانا کا اہم کام الندوہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کے لئے بہت سا محققانہ تاریخی سامان فراہم کردیا اور اس کے سلسلہ میں مولانا نے بڑے اہم مسائل میں تحقیق وتدقیق سے کام لیا ہے۔ اسی رسالہ الندوہ میں سے اعلیٰ مضامین جمع کرکے مقالات شبلی[1] تیار کی گئی ہے۔

قیام قسطنطنیہ کے زمانہ میں انہیں عثمان پاشا مرحوم کی سفارش سے سلطان المعظم نے تمغہ مجیدیہ عطا کیا۔ اور گورنمنٹ سے ان کو شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

مولانا شبلی ان لوگوں میں تھے جو دنیا میں اچھی جگہ خالی چھوڑ گئے۔ اور ان کا کمال ان ہی کے ساتھ گیا۔ تاریخ اسلام میں جلب روایت اور تحقیق وتنقید کی جو شان انہوں نے دکھائی ساری دنیا کے موجودہ علمائے اسلام میں سے کوئی نہ دکھا سکا۔

یادِ شبلی رح

(از خان صاحب مولوی سید احمد صاحب مرحوم مولف فرہنگ آصفیہ)

"ہائے" تم کہاں تھے؟ اور کہاں چلے گئے؟ اسلامی تاریخ کے منجر علم ادب کے دریائے بیکراں کو کس پر چھوڑا۔ حقیقی شمس العلماء بنکر لٹریچری خدمات کے بڑے بڑے جگمگاتے ہوئے ستارے تصانیف کی صورت میں آپ نے چمکائے۔ مسلمان دنیاداپادشاہوں اور خلفائے راشدین پر جو حاسدوں کے اعتراض تھے انہیں کس خوبصورتی سے اوٹھایا۔ اور ایسے ڈھنگ سے مٹایا۔ کہ باید وشاید۔ عالمگیر بادشاہ کے دامن پاک سے ظلم تعصب کا داغ آپ نے دھویا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا بدنما دھبہ اسے آپ نے بال بال بچایا۔ فارسی زبان کے دھنی تھے۔ اور عربی کے کامل ادیب ندوۃ العلماء کو بار آور بنایا خزاں رسیدہ شجر کو بیت جھڑ سے آپ نے محفوظ رکھا۔ از سر نو پروان چڑھایا گو بے اتفاقی نے اس پر پتھر برسائے۔ خود غرضانہ روڑوں کی بوچھاڑ کی جس کے سبب آپ

---

[1] مقالات شبلی کی قیمت تینے بجائے ۱۲ کے صرف ۱۰ کردی ہے۔ قومی پریس دہلی سے طلب کریں ۱۲

لیکن افسوس کہ ندوۃ العلما کے جھگڑوں نے اس کام کے کرنے کی مہلت نہ دی ندوہ بھی تمھارے دم سے تھا۔ تمھارے ہاتھ اٹھانے سے وہ ندوہ بھی اب نہ رہا اگر ہے تو نام کا ندوہ ہے۔

"شبلی" آپ نے پابرکاب ہمعصروں کا بھی ساتھ نہ دیا۔ حالی مدظلہ العالی کو کس حال میں چھوڑ چلے۔ ہم جیسے مصنفہ گوشت اپنے مداحوں کو ساتھ نہ لیں گے جو خدا سے لو لگائے دنیا سے ہاتھ اٹھائے چلنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

"ہائے شبلی" تم اکیلے گئے۔ اعمال نیک کے سوا کوئی بھی تمھارے ساتھ نہ گیا۔ میں خود چلنے کو بیٹھا ہوں بستر ابستر ا ہو گیا ہوں۔ اعصابی امراض دماغ کی کمزوری دل کی ناتوانی حافظہ کی بےمروتی۔ قلب کی رقت نے بھاڑے کا ٹٹو بنا رکھا ہے۔ کفن کاٹھی کی نوبت پہنچا دی ہے۔ کوئی دم میں تمھارے پاس پہنچنے والا ہوں۔

اے آیندہ نسلوں کو قدیمی اخلاق۔ قدیمی جوہر۔ تعلیمی اور اخلاقی ترقی سے برقرار رکھنے والو۔ دیکھو ہونہاروں کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جہاں سے جواہرات کے ٹکڑے ملیں تو اٹھا لو۔ ان کی غور و پرداخت کرو۔ چھاتی سے لگا کر رکھو۔ گو زمانہ انھیں نیست و نابود اور ملیا میٹ کرنے کے درپے رہے مگر تم ان کے بچانے میں سرمو تساہل نہ کرو۔ اس ترکیب سے ہمیشہ شبلی اور حالی اور سر سید اور نذیر احمد وغیرہ کے ہم خیال رہیں گے اور تمھاری قوم کا نام بنا رہیگا۔

مصنف کو ہمیشہ دس باتوں کی ضرورت رہا کرتی ہے۔ اول اطمینان خاطر دوم حصول امن سوم اسٹیشنری یعنی موجودگی سامان چہارم معیشت سے فارغ البالی پنجم پیش خدمت یعنی خدام جو بجائے عضو کام دیتے ہیں ششم گوشہ تنہائی ہفتم تفریح قلب ہشتم بےفکری نہم اس کے کام اور دماغ سوزی کی داد۔ دہم ذخیرہ کتب۔ پس مولانا شبلی کو دولت آصفیہ کی بدولت یہ ساری باتیں حاصل تھیں۔ وہ جو کچھ کرتے تھوڑا تھا۔ لیکن زمانہ کے حسد نے اسپر بھی چین نہ لینے دیا۔ مگر واہ رے شبلی ایسی حالت میں بھی ذاتی جوہر دکھائے بغیر دنیا سے قدم نہ اٹھایا۔

رہنما سامنے ہے نقش قدم شبلی کا

آج ہر سمت ہے عالم میں الم شبلی کا
رنج شبلی کا قلق شبلی کا غم شبلی کا

اب زمانے میں نہیں کوئی مورخ ایسا
مغتنم تھا بخدا قوم میں دم شبلی کا

پاشکستہ تھا مگر علم کے ہر میدان میں
آگے بڑھنے سے نہ رکتا تھا قدم شبلی کا

تا دم مرگ تصانیف میں مصروف رہا
نہ چھٹا ہاتھ سے شبلی کے قلم شبلی کا

خبر مرگ سے دل ہوگیا ٹکڑے ٹکڑے
بے طرح آکے پھٹا قوم میں بم شبلی کا

داغ فرقت نہ مٹائے سے مٹے گا ہرگز
کشور دل میں چلے گا یہ درم شبلی کا

قوم کو علم کی دولت سے کیا مالا مال
اٹھ گیا تھا جو ذرا دست کرم شبلی کا

جھک کے چلتا تھا تواضع کے سبب سے کل تک
دم کے ساتھ آج گیا آہ وہ خم شبلی کا

اسکے اک کاغذ تاریخ میں سا ہیں لاکھوں جام
سامنا کر نہیں سکتا کبھی جسم شبلی کا

ذکر تاریخ میں اس کا یہ ہے تاریخ نویس
جم میں بڑھ چڑھ کے ہے اجلال و حشم شبلی کا

رتبہ کس طرح سے اعظم نہوا اعظم گڑھ میں
جب ہوا خوبی قسمت سے حرم شبلی کا

اس کی تصنیف کا بیٹھا ہے جہاں میں سکہ
مدح گستر ہے عرب اور عجم شبلی کا

آجتک گذرے ہیں دنیا میں مورخ جتنے
مرتبہ ان میں کسی سے نہیں کم شبلی کا

نظر آتا نہیں تاریخ کا مرد میدان
کون پورا کرے اب کار اہم شبلی کا

قوم میں کوئی نہیں اس کا اٹھانیوالا
رہ گیا بس یوں ہی قرطاس و قلم شبلی کا

قوم میں اہل کوئی ہو تو بتا دو ہمکو
کس کو تفویض کریں طبل و علم شبلی کا

کارناموں کی نہ کیا اسکے کریں گے تقلید
مرثیہ پڑھ کے چلے جائیں گے ہم شبلی کا

کہتی ہے ہمت مرداں کہ چلو اور بڑھو
رہنما سامنے ہے نقش قدم شبلی کا

مولانا شبلی کے عقائد

حضرت مولانا شبلی صاحب۔ السلام علیکم مجھے آپ سے چند سوال پوچھنے ہیں اجازت ہو تو عرض کروں (۱) میں نے سنا ہے کہ آپنے اپنی تصنیف الکلام میں مادہ عالم غیر مخلوق لکھا ہے۔ کیا آپ کا یہ اعتقاد صحیح ہے۔ اور آپنے تصنیف مذکور میں یہ مسئلہ اپنے مذہب کا لکھا ہے کیا؟ (۲) کیا آپکا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نبوت کو اکتسابی سمجھتے ہیں یعنی کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ ہر ایک آدمی اکتساب اور محنت سے نبی ہو سکتا ہے یا اسکی اصلیت کچھ اور ہے (۳) اسکے علاوہ اور بھی کوئی خیال آپنے ایسا ظاہر کیا ہے جسکی شہادت قرآن مجید اور صحیح احادیث سے نہ مل سکے آپ جو کچھ جواب دینگے اسے میں پبلک میں شائع کروں گا۔

عاجز سید عبدالسلام مالک مطبع فاروقی دہلی۔ ۴ر جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ

الجواب

جناب میر صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے۔ اور خدا کا مخلوق نہیں ہے۔ وہ ملحد اور زندیق ہے۔ میں مادہ کو نہ قدیم بالذات تسلیم کرتا ہوں نہ قدیم بالزمان، البتہ میں یہ مانتا ہوں کہ خدا کے تمام اوصاف قدیم ہیں الکلام میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں۔ اور اس غرض سے نقل کئے ہیں کہ ان کا رد کیا جائے (نبوت) کے متعلق میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ وہ اکتسابی ہے اور ہر شخص نبی ہو سکتا ہے میں نبوت کو عطیہ الٰہی سمجھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتا ہوں۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے اسکو مسلمان نہیں جانتا۔

باقی میرے عقائد وہی ہیں جو قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہیں۔ میں عقیدۃً اور فقہاً دونوں لحاظ سے اہل سنت وجماعت ہوں۔

(شبلی نعمانی)

نام کتاب	قیمت
الفاروق یعنی سوانح عمری حضرت فاروق مولفہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی مرحوم	سے
الغزالی یعنی امام محمد بن محمد الغزالی کی مفصل سوانحعمری مولفہ مولانا شبلی مرحوم	عہ
مقالات شبلی جسمیں مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین لکھے ہیں جو آجتک طبع نہیں ہوئے۔	عہ/
سوانح عمری مولانا روم مولفہ شمس العلما مولانا شبلی مرحوم جس میں مولانا کی مفصل سوانح عمری کے مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر نہایت تفصیل سے تقریظ اور تبصرہ لکھا گیا ہی کتاب قابل دید ہے۔	عہ/
مثنوی نشتر غم یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ درد انگیز اور سچا قصہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ میں طرز جدید نظم کیا گیا ہے قیمت فی جلد	۱۰/
مخدرات مشاہیر عالم مولفہ مولانا عبد الحلیم شرر جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں سمیرامس ملکہ بابل، ہند بنت نعمان لیلائے اخیلیہ شہدہ کاتبہ زلیخا ملکہ مصر ملکہ سجاح ام سلمہ زوجہ سفاح قطر الندی بلقیس ابو الوفا علیہ بنت مہدی خدیجہ بنت القیم	

نام کتاب	قیمت
ملکہ امیر کبیر ابن بید خاتون ام ہانی مریم۔ قلوپٹرا میڈم ڈی اسٹائل رابعہ بصریہ رابعہ شامیہ فاطمہ فقیہ ملکہ زبا ام ابان فاطمہ نیشاپوریہ ملکہ زنوبیہ نوار زوجہ فرزدق ملینا مصنفہ زبدہ	عہ/
جلد دوم جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ویدون ملکہ سوزیر تھال۔ ایڈلین۔ رافیل آریہ۔ روابان فلیون عاتکہ بنت معاویہ تنکاربائی خاتون ارشد امیہ فریدہ عفرا عائشہ بنت طلحہ، بائی، بے شیا خرفامد بیار بنت الفریق السلمی جیفیاف ظریفہ بنت صفوان ام حکیم بنت آفارظ۔	عہ/
تذکرہ مشاہیر عالم جلد اول مولفہ عبد الحلیم شرر لکھنوی مورخ جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں خلیفہ ناصر الدین، اللہ زبیر ابن عوام، عبد اللہ ابن زبیر ابن بطوطہ بقراط یانی، جالینوس سائد بن اعز الدین حسین حاتم طائی۔ والصی۔ جبلہ بن ایہم محمد بن تومرت المہدی المغربی۔ ابو عثمان سعید بن مسجح سباتانی۔	عہ/
جلد دوم جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ابو الاسود دولی احمد بن طوطان ابو الضحاک عمرو بن سعدی زبیدی نابغہ زبیانی اسکندر اعظم	

سید ظہور احمد نمبر ۱۰ قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

نام کتاب	قیمت
سمون لین تر اور شلمغانی الحکیم المستنفر محمد عبداللہ الزقیر منذر بن مغیرہ حجاج دمشقی مهوس، مسجد ایا صوفیہ، مسجد اقصیٰ صلیبی جہاد، دمشق کی جامع	عہ
خلافت۔ عمرو بن سعید بانی خلافت بنی امیہ، ابو مسلم خراسانی بانی خلافت عباسیہ مصنفہ مولنٰا عبد الحلیم صاحب شرر ان دونوں خلافتوں کے بانیوں کے پورے حالات اور ان کے انجام	۴/
سوانح ابو جعفر منصور، ابو دلامہ محمد علی پاشا ان تینوں کی پوری سوانح اور حالات	۵/
اقوام کرد۔ مولفہ عبد الحلیم صاحب شرر اس قوم کی پوری لائف اور انکی خانگی معاشرت اور سلطنت عثمانیہ کے ساتھ انکے تعلقات اور ان کی بہادری اور اسکے ساتھ ترکان آل عثمان کے حالات بھی درج ہیں۔	۶/
کالے خاں کی سرگذشت یہ کتاب اپنے حالات میں بالکل نئی ہے جنکو زبان دانی کا شوق ہے وہ اس کتاب کو ضرور خریدیں اول سے آخر تک تلازموں سے لبریز ہے قیمت	۸/
بزم آخر۔ بہادر شاہ اور اکبر شاہ کی طرز معاشرت اور سوانح اجڑنے والے دلی شہر کی آخری بہار جس نے دیکھی اسکے کلیجے پر بس سانپ لوٹتا ہے مسلمانوں	

نام کتاب	قیمت
اور مغل امپائر کا چراغ جس آنکھ نے آخری وقت جھلملاتے دیکھا ہو اور اسکا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اصلی رنج والم سے بے اختیاری دو آنسو بہا سکتا ہے۔	عہ/
ازواج النبی جس میں جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پورے حالات۔ اور سوانح درج ہیں آنحضرت کے متعدد نکاحوں پر عیسائی اور دیگر معاندین اسلام اعتراض کیا کرتے ہیں اس کتاب میں ان اعتراضوں کا قطعی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ آپ پر نکاح کسی خاص ضرورت و مصلحت پر مبنی تھا۔ اور ان نکاحوں کی غرض خدا ترسی یکجہتی و ترقی اسلام تھی نہ (معاذ اللہ) نفسانی خواہش بہر حال یہ نہایت ضروری کتاب ہے جسے ہر مسلمان کے زنان خانے میں ضرور رہنا چاہیئے	۸/
علم مجلسی "یہ کتاب آپکو ادیب گویا حاضر جواب۔ ہر معرکہ و میدان، ہر محفل کی زینت ہر جلسہ کی رونق آپکی تقریر کو دلپذیر تحریر کو پر تاثیر اور ادائے مطلب کو دلچسپ "علم مجلسی" اپنی قسم کی سب سے پہلی کتاب ہے	عہ/

Shiblī Nu'mānī, Muḥammad
Majmū'ah-i naẓm-i Shiblī